رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۶۵۰

1959

ماہنامہ شمس الاسلام

بھیرہ (مغربی پاکستان)

59

مرتبہ

سید سیاح الدین ـــــ کاکاخیل

سالانہ چندہ
۴ روپیہ
فی پرچہ ۴ر

ہر انگریزی ماہ کی پانچ
تاریخ کو
شائع ہوتا ہے!

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ

مرتبہ:- سید سیاح الدین کاکاخیل

جلد ۳۰ | جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق جنوری ۱۹۵۹ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	شذرات	ادارہ	۴
۲	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	محترم اختر زبیری	
	مدارس عربیہ دینیہ کی اہمیت اور ضرورت	مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل	۱۰
	فریضۂ زکوٰۃ	"	۱۵
	ایمان وامان	مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی	۱۷
	ترقی کا صحیح راستہ	ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی	۲۲
	نبی کا طریق دعوت واصلاح	سید ابوالحسن علی ندوی	۲۷

سرخ نشان دائرہ میں سرخ نشان چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے۔ کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدارا وی پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیجر رسالہ)

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر ثنائی برقی پریس سرگودہا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا

قدیم تعلیمی ادارہ

دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ

اہلِ خیر حضرات سے ایک ضروری اپیل

قارئین شمس الاسلام دارالعلوم عزیزیہ واقع جامع مسجد بھیرہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ خالص دینی عربی مدرسہ امیر حزب الانصار حضرت مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار ہے۔ اور عرصہ دراز سے قرآن و حدیث، فقہ و اصول اور عربی علوم و فنون کا ایک مستند ادارہ ہے۔ ایسے مدارس کو باقی رکھنا بلکہ ترقی دینا مسلمانوں کا ایک مشترکہ فریضہ ہے۔ یہ تو آپ سب کو معلوم ہوگا کہ مدرسہ کے کثیر اخراجات کیلئے کوئی وقف اور کوئی جائداد نہیں سب کچھ اہلِ خیر مسلمانوں کے عطیات، صدقہ و خیرات اور مالی امداد و اعانت سے پورا کیا جا رہا ہے۔ اور اس غرض کیلئے بار بار یاد دہانی کرانی پڑتی ہے۔ زکوٰۃ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی ہے۔ اور وہ فریضۂ زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں اُن کی خدمت میں خاص طور سے یہ درخواست ہے۔ کہ اس مدرسہ کے مسافر طلبہ آپ کی امداد اور توجہ کے خاص مستحق ہیں۔ لہٰذا مقامی ضروریات کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ یہاں کے طلبۂ علوم دینیہ کو بھی ضرور خیال میں رکھیئے۔ اور اپنی زکوٰۃ کا ایک مناسب حصہ ان کے اخراجات کے لئے مدرسہ میں ضرور ارسال کیجئے۔ اس تعلیمی نظام کو حسبِ سابق باقی رکھنا اور اس چشمۂ فیض کو جاری رہنے دینا ایک بہت بڑا صدقۂ جاریہ اور کارِ خیر ہے۔ ترسیل زر مہتمم دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ کے پتہ پر ہونی چاہیئے۔ زکوٰۃ کی رقم ہو تو اس کی تصریح ضرور کیجئے!

دعاگو:۔ عاجز۔ افتخار احمد بگوی (مہتمم جامعہ دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ ضلع سرگودھا)

شذرات

پاکستان کا اصل نصب العین حالیہ انقلاب کا مقصد ہے

۱۳ر دسمبر کے تمام اخبارات میں یہ خبر آپ نے بھی پڑھی ہوگی کہ مغربی پاکستان کے مرکزی شہر لاہور میں ۱۲ر دسمبر کو صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کو گلستانِ فاطمہ میں لاہور کے شہریوں کی طرف سے دعوت دی گئی تھی اور اس میں صدر محترم کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا۔ اس سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے صدر مملکت نے فرمایا:۔

کہ جن حالات نے ہمارے ملک میں انقلاب کو ضروری بنایا تھا وُہ خود غرضیوں کی ایک شرمناک داستان ہے۔ اسے دُہرا کر میں اس خوشگوار فضا کو مکدّر نہیں کرنا چاہتا۔ اگر یہ انقلاب نہ آیا ہوتا تو یقیناً ہمارا مُلک بُہت جلد تباہی کے غار میں جا گرتا۔ خدا کا شُکر ہے کہ یہ انقلاب اس قدر امن و امان میں آیا۔ میں یہ بات فخر سے کہتا ہوں کہ اتنے بڑے انقلاب میں خُون کا ایک قطرہ بھی بہانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور ساری قوم نے اس تبدیلی کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا ہے۔"

"یہ انقلاب فقط "فن برائے فن" کے طور پر ہی نہیں آیا اس کے پیچھے ایک بلند مقصد ہے۔ یہ وُہی مقصد ہے جس کے لئے اس برِصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا نعرہ لگایا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے ہماری ساری قوم نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ بے شمار قیمتی جانیں آزادی کی راہ میں قربان ہوگئیں۔ بے اندازہ گھر اُجڑ گئے عزت اور آبرو کی قربانی جو ہماری سینکڑوں ماؤں اور بہنوں نے دی وُہ اس کے علاوہ ہے۔ لیکن جب پاکستان وجود میں آگیا تو کیا ہوا؟ ان سب قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی سیاست، دولت اور اقتدار پر گنتی کے چند لوگوں اور خاندانوں نے قبضہ جما لیا۔ رفتہ رفتہ پاکستان اپنے نصب العین سے ہٹتا گیا۔ اور بدنظمی، انتشار، خود غرضی اور بددیانتی کا زہر زندگی کے ہر شعبے میں بُری طرح پھیل گیا۔ اب ہمارا پہلا مقدس فرض یہ ہے کہ پاکستان کے اصل نصب العین کو زندہ کریں۔ یہ بات کہنا تو آسان ہے لیکن اس کی راہ میں مشکلات بھی بُہت ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سالہا سال سے ہماری سیاست نے تجارت کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہماری سماجی زندگی گندی ہوگئی تھی بلکہ ہمارا معاشی اور اقتصادی نظام بھی درہم برہم ہو گیا تھا۔ اب ہماری کوشش تو یہ ہے۔ کہ یہ خطرناک پھوڑے خود بخود پھٹ کر بہہ جائیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو مجبوراً تھوڑی بہت سرجری سے بھی کام لینا پڑے گا۔ اس وقت ہمارے سامنے جو اہم مسائل ہیں اُن کا ذکر آپ نے سپاسنامے میں کیا ہے۔ پاکستان کے صحیح نصب العین کو بلند کرنے کے لئے ہماری سب سے بڑی ضرورت حُبّ الوطنی اور قومی اتحاد ہے۔ صُوبائی تعصب اور فرقہ پرستی سماجی جرم اور قومی گناہ ہیں۔ آج تک ہماری سیاست ان ہی غلط قدروں کے سہارے چلتی رہی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس خطرناک زہر کو اپنے دِل اور دماغ سے پُوری طرح نکال دیں۔ خدا کے لئے آپ ایمانداری سے یہ عزم کر لیجئے۔ کہ ہم ایک قوم اور ایک ملک ہیں، مشرقی اور مغربی پاکستان کا فرق، پنجابی پٹھان۔ سندھی اور یُوپی کی تمیز بیمار ذہنیت اور بددیانت خود غرضی کی پیداوار ہے۔ ان سے بچ کر رہنے ہی میں ہماری سلامتی ہے"۔

(تسنیم ۱۳ر دسمبر ۵۸ء)

صدر مملکت کی جوابی تقریر میں سے یہ طویل اقتباس ہم نے اس غرض کے لئے نقل کر دیا ہے کہ اس سے اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ہمارے ملک کے حالیہ اصلاحی انقلاب کے بانی اور ہیرو کے قلب و دماغ

میں اس انقلاب کا اصل مقصد اور غرض و غایت کیا ہے؟ جو وضاحت مندرجہ بالا تقریر میں کی گئی ہے اس سے قبل بھی بارہا مختلف بیانات میں یہی بات صدر مملکت نے علی الاعلان کہی ہے کہ "حالیہ انقلاب کا مقصد وہی ہے جس کے لئے برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا نعرہ لگایا تھا۔ ہمارا مقدس فرض ہے کہ پاکستان کے اصلی نصب العین کو زندہ کریں۔"

اور یہ کوئی مبہم اور مخفی حقیقت نہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا نعرہ اس لئے لگایا تھا کہ مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد و خود مختار ریاست وجود میں آئے جہاں وہ آزادی کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر کتاب و سنت کے قوانین و ضوابط کے ماتحت باعزت اور با امن و امان زندگی بسر کر سکیں۔ اور پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ اس ملک کے ہر مسلمان بچے، جوان اور بوڑھے، مرد اور عورت کی زبان پر جاری تھا۔ اور یہی درحقیقت ہر ایک کے دل کی آواز تھی۔ مگر جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی، اور ایک خونین سمندر میں سے گذر کر آنے کے بعد جب پاکستان وجود میں آگیا۔ تو بقول صدر محترم ان سب قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی سیاست، دولت اور اقتدار پر گنتی کے چند لوگوں اور خاندانوں نے قبضہ جما لیا۔ رفتہ رفتہ پاکستان اپنے نصب العین سے ہٹتا گیا۔ اور بدنظمی، انتشار، خود غرضی اور بددیانتی کا زہر زندگی کے ہر شعبہ میں بری طرح پھیل گیا۔

ان گنتی کے چند لوگوں اور خاندانوں نے سیاست پر قبضہ کر کے دین کو تو سیاست سے بالکل جدا کر دیا۔ اور اس طرح سیاست ایک دیو بے زنجیر ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں سیاسی طور پر چنگیزیت کا چھا جانا ناگزیر تھا۔ اور اس بے دین سیاست کی چنگیزی کے اثرات بد ہی تھے کہ ملک میں فساد برپا تھا۔ یہی سیاستدان اور ان کی بے قید سیاست ہی ملک میں چوری۔ ڈکیتی، اغوا، رہزنی، زبردست آزاری، غصب و ظلم، شرافت اور شرفاء کی بے بسی و مجبوری، اور غنڈوں کی سرکشی و سرافرازی اور دوسرے بے شمار سماجی خرابیوں اور گندگیوں کی اصل بنیاد تھی۔

چند جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے دولت اور وسائل دولت پر مختلف حیلوں بہانوں اور مختلف ناموں سے ایسا قبضہ کیا اور کچھ ایسا چکر چلایا کہ تمام مملکت کی دولت انہی کی تجوریوں میں آ کر جمع ہو، بینکوں میں انہی کے حسابات ہوں۔ زمینیں ان کی مقبوضہ ہوں، کارخانے ان کے ہوں، درآمد و برآمد کے پرمٹ صرف ان کو ملیں۔ غلہ ان کے گوداموں میں ہو۔ کھانڈ کے ڈپو ان کے کارندوں کے پاس ہوں، چاولوں کی حمل و نقل ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ الغرض اس ملک میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نقد و جنس پیدا کیا ہے وہ سب ان کا پیدائشی حق ہے۔ اور عام باشندگان ملک کی حیثیت ڈھور ڈنگروں کی ہے۔ وہ محنت مزدوری کریں ان کی زمینیں جوتیں بوئیں۔ کاٹیں۔ کارخانوں میں دیو پیکر مشینیں چلائیں۔ دفتروں میں قلم گھسائیں اور دماغ سوزی کریں۔ اور ان کے جی میں آئے تو اتنا کچھ دے دیں جس سے وہ صرف اپنا اور بچوں کا پیٹ پالیں اور جی چاہے تو بھوکا اور ننگا بھی رکھیں۔ خاندانی نواب اور خان اور بڑے بڑے جاگیردار تو "سیاست دانی" کے زعم میں قوم پر مسلط تھے ہی، چند سالوں سے بعض صنعت کار اور بلیک مارکیٹ کی برکت سے بنے ہوئے تاجر بھی سیاست و اقتدار کے میدان میں اپنی بے پناہ دولت کے سہارے آنکلے تھے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے صاحب اقتدار و اختیار حضرات کو سونے اور چاندی کی زنجیروں سے باندھ کر قابو بھی کر دیا تھا۔ اور اس طرح وہ ملک کی دولت و معیشت پر قبضہ کرنے کے بعد سیاست و اقتدار پر بھی قبضہ کرنے لگے تھے۔

اور یہ سب کے سب وہ افراد اور وہ خاندان تھے جن کو پاکستان کے اصل نصب العین یعنی ایک "مثالی اسلامی آزاد و خود مختار ریاست" سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ ہر معاملہ کو محض اپنے ذاتی اور فوری فائدہ کے نقطۂ نگاہ سے سوچتے تھے۔ انہوں نے مملکت کے دستور

کے مسئلہ کو سالہا سال تک معرض التوا میں رکھا اور بڑی ردوکد کے بعد کہا جو دستور بنایا بھی۔ اس میں اصل نصب العین سے فرار اختیار کرنے کے لئے بے شمار چور دروازے رکھے۔ دستور ہی میں مشرق و مغرب کی تفریق کے بیج بوئے۔ زبانوں کے جھگڑے کیلئے میدان تیار کیا۔ اور پھر "نفاذ دستور" کے بعد تو "بدنظمی، انتشار، خودغرضی اور بددیانتی" کی انتہا ہوگئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ بقول صدر محترم معاشی اور اقتصادی نظام بالکل درہم برہم ہوگیا۔ عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں مملکت کا سارا خزانہ لٹا دیا گیا۔ اور ایک ایک ممبر کو راضی کرنے اور اپنی پارٹی میں رکھنے کی خاطر حکومت کے خزانہ کو یوں استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ "دادا جی کے فاتحہ کے لئے حلوائی کی دوکان" نذر کی جاتی ہے۔

ان حالات میں جبکہ ہمارے سیاستدانوں اور غلط کار لیڈروں کے ہاتھوں ملک تباہی کے عمیق غار میں گر کر زیروزبر ہونے والا تھا۔ صوبائی تعصب اور وطن دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں نے ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالدیا تھا۔ ملک کی معاشی اور اقتصادی حالت نہایت نازک مرحلے پر آپہنچی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جس کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید اور پیش کی ہوئی عملی زندگی سُنت کے مطابق نظام حکومت کی تشکیل کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اس ملک کو ہمارے فوجی جوانمردوں کے ذریعہ سے ان تباہیوں سے بچایا اور ملک و ملت کو غلط کاروں کی قیادت سے نجات دلائی۔

اور ایک ایسا انقلاب رونما ہوا کہ ساری قوم نے واقعۃً پوری گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ صرف گنتی کے ان چند لوگوں اور خاندانوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی ہوگی جو ملک و قوم کو ہر لحاظ سے لوٹتے رہے ہیں اور جن پیران تسمہ پا کی وجہ سے قوم مصائب و مشکلات میں مبتلا رہی ہے۔

صدر مملکت کی زبان سے قوم جب بار بار سُنتی ہے کہ "اس انقلاب کے پیچھے ایک بلند مقصد ہے یہ وہی مقصد ہے جس کے لئے اس برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا نعرہ لگایا تھا۔ اب ہمارا پہلا مقدس فرض یہ ہے کہ پاکستان کے اصلی نصب العین کو زندہ کریں"

تو اُس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی اور سمجھتی ہے کہ عنقریب ایک عملی فوجی جوان مرد کے ذریعہ وہ نصب العین حقیقۃً زندہ ہوجائیگا اور یہاں عملی طور پر ایک ایسی صحیح اسلامی حکومت قائم ہوجائے گی جو ہمارے لئے فلاح دارین کی موجب ہوگی۔ اور جس کے زیر سایہ ہماری قوم دنیا کی تمام دوسری اقوام کی امامت و قیادت کے منصب تک یقیناً پہنچ سکے گی۔

صدر محترم نے یہ بالکل درست فرمایا ہے۔ کہ

(اصل نصب العین کو زندہ کرنے کی) یہ بات کہنی تو آسان ہے لیکن اسکی راہ میں مشکلات بھی بہت ہیں"

لیکن خلوص اور صدق نیت کی بناء پر ہماری فوج کے جوانمردوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی آسانی کے ساتھ ابتدائی مرحلہ میں کامیابی عطا فرمائی اور سیاست کے بڑے بڑے پہاڑ جن کی جڑیں بڑی مضبوطی کے ساتھ پاتال تک جمی ہوئی تھیں ان کے محض اشاروں ہی سے روئی کے گالوں کی طرح اُڑ کر ہباءً منثورا ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سیاست بازوں کو راستہ سے ہٹا کر مشکلات اور رکاوٹوں کو کافی حد تک دور کردیا۔ اور دو مہینہ کے قلیل عرصہ میں بہت حد تک اصلاح کی توفیق دی۔ تو اگر ہمارے صدر محترم نے اپنے رفقائے کار کے مشورہ سے رضائے مولیٰ کی خاطر اُس مولائے کل کے دین کو اس ملک میں نافذ کرنے کا عزم بالجزم کردیا تو ان کے اس مومنانہ عزم کے سامنے راہ کی مشکلات بالکل رکاوٹ نہیں بن سکیں گی۔ قوم اجتماعی طور پر ساتھ ہے اور خوش آمدید کہنے کے لئے تیار، رکاوٹ ڈالنے والے روڑے آپ کے مصلحانہ اقدامات اور پوری قوم کی تائید و دعاگوئی کی برکت سے راستہ سے ہٹ چکے ہیں۔ اب اُن میں روڑا بن کر رکاوٹ ڈالنے کی ہمت نہیں رہی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وُہ اپنے فضل وکرم سے ہمارے صدر محترم کو اس اصل نصب العین کے زندہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ اور اُن کے مبارک ہاتھوں سے پاکستان کو ایک مثالی اسلامی ریاست اور پاکیزہ انسانوں کی پاک بستی بنادے۔ اور ملک کو ہر گندگی سے، انتشار و بدنظمی سے، بداخلاقی و بدکرداری سے محفوظ و مامون فرمائے۔

تعلیمی کمیشن اور اس کا دائرہ کار

نئی حکومت نے مملکت کے نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اصلاحات کا جو قدم اٹھایا ہے اس سلسلہ میں بڑی ضرورت تھی کہ ہر شعبۂ زندگی میں ماہرین فن کے صلاح و مشورہ کے مطابق جلد از جلد نئی تشکیلات کی جائیں۔ چنانچہ اس قلیل عرصہ میں اس مقصد کی خاطر اہم اقدامات کئے گئے اور اس کے اچھے نتائج بھی بروئے کار آرہے ہیں۔ زرعی کمیشن اور لاء کمیشن کا تقرر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اور وُہ جلد از جلد اپنی سفارشات پیش کریں گے اور اُمید ہے کہ ان سفارشات کے مطابق عملی کام بھی شروع ہو جائے گا۔ لیکن اس حقیقت کو ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ تعلیم و تربیت کا شعبہ سب سے بڑھ کر اہمیت رکھتا ہے۔ اور جب تک قوم کی روحانی اقدار، اور اخلاق و نظریات کی طرف توجہ نہ دی جائے تو کسی شعبۂ زندگی میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے تعلیمی نظام میں بہت سی خامیاں ہیں جن کا اعتراف ہمیشہ سے ہر صاحب اقتدار زبانی طور پر کرتا رہا۔ لیکن اس گیارہ برس کے طویل عرصہ میں کسی نے اصلاح کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھایا۔ اور یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان کے اصل نصب العین کے لحاظ سے تو روز بہ روز تعلیمی اور اخلاق و تربیت کی حیثیت سے ہم نہایت پستی میں گرتے چلے جا رہے تھے۔ الحمد للہ کہ صدر جنرل محمد ایوب خان نے اب ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ سے تعلیمی کمیشن کے ارکان کے نامون کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے اور کمیشن کے ذمے عائد شدہ فرائض کی تصریح کر دی ہے۔ اعلان کا متن یہ ہے۔

(۱) ہرگاہ کہ پاکستان کا موجودہ تعلیمی نظام قومی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ نظام تعلیم کو ملک کے معاشی، سماجی، اقتصادی، منظری اور فکری تقاضوں کے مطابق از سر نو ترتیب دیا جائے جو پاکستان میں استحکام اور متوازن ترقی کو فروغ دے سکے۔ لہٰذا صدر مملکت اس تعلیمی کمیشن کی تقرری کا بہ تفصیل ذیل بہ مسرت اعلان کرتے ہیں۔

(۲) کمیشن کی تشکیل حسب ذیل طریقے پر ہوگی۔

۱۔ مسٹر ایس ایم شریف تعلیمی سیکرٹری حکومت مغربی پاکستان چیئرمین

۲۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی رکن ایٹمی توانائی کمیشن (کراچی)

۳۔ کرنل آفریدی وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی

۴۔ مسٹر بی اے ہاشمی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

۵۔ ڈاکٹر ممتاز الدین احمد وائس چانسلر راجشاہی یونیورسٹی

۶۔ مسٹر عبدالحق صدر ثانوی تعلیمی بورڈ ڈھاکہ

۷۔ پروفیسر اطوار حسین ڈھاکہ یونیورسٹی

۸۔ ڈاکٹر عبدالرشید پرنسپل انجنیئرنگ کالج ڈھاکہ

۹۔ ڈاکٹر آر۔ ایم ایونگ فارمن کرسچن کالج لاہور

۱۰۔ ڈیفنس سروس کا ایک نمائندہ

(۳) **کمیشن کا دائرہ کار۔** کمیشن کا ابتدائی کام تعلیم کو نئی بنیادوں پر استوار کرنا ہوگا۔ اور اس کے حسب ذیل اجزا ہوں گے

(۱) عوام میں فرض شناسی، حُبّ الوطنی اور قومی وقار کا جذبہ پیدا کرنا۔ (۲) ہر شہری کے لئے ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر تعمیر و تشکیل کردار کے مواقع پیدا کرنا (۳) زراعتی، ٹیکنیکل اور زراعتی کاموں کی پیشہ ورانہ تربیت کے لئے ذہانت اور قابلیت کو جانچنے کا ایک معیار قائم کرنا۔

کمیشن ملک کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں اصلاحات

نافذ کرنے کے لئے حکومت کو سفارشات پیش کرے گا۔ اور کمیشن اس بات کا جائزہ لیگا کہ آیا ملک کے تعلیمی ادارے مناسب سامان اور تربیت یافتہ عملہ کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ کمیشن اس بات کا بھی جائزہ لیگا کہ ملک کو (ا) کتنے فنی ماہرین کی ضرورت ہے اور (ب) سول اور ڈیفینس سروسز کے لئے کیسے عملہ کی ضرورت ہے، اس مقصد کی راہ میں کیا مشکلات حائل ہیں۔ اور ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے طریق کار طے کرے گا۔

کمیشن تعلیمی اداروں میں تدریس اور تحقیقات کے کاموں اور معیار کا جائزہ لے کر اس کو فروغ دینے کے اقدامات کرے گا۔ کمیشن تعلیمی اداروں کی مالی ضروریات کا جائزہ لے گا اور پھر ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان کو پورا کرنے کے وسائل تلاش کریگا۔ مالی ضروریات کا جائزہ لیتے وقت کمیشن تمام دستیاب وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے امکانات پر غور کرے گا۔ اس کی پوری تفصیلات ایک ضمیمہ میں مندرج کر دی گئی ہیں۔

کمیشن اپنے فرض کی انجام دہی میں آزاد ہوگا اور اس کو مختلف تعلیمی امور کا جائزہ لینے کے لئے کمیٹی بنانے کا پورا پورا اختیار ہوگا۔ کمیشن ماہرین تعلیم یا عام لوگوں سے مشورہ لے سکتا ہے کمیشن مذہبی تعلیم کے اداروں، مدرسوں، مکتبوں اور دارالعلوموں کا بھی جائزہ لے گا۔

اس سرکاری اعلان میں کمیشن کا دائرہ کار کافی وسیع رکھا گیا ہے اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری حکومت کے سامنے محض سرسری برائے نام تبدیلی نہیں۔ بلکہ وہ چاہتی ہے کہ تعلیمی نظام کی بنیاد ہی ایسی رکھی جائے جو قومی ضرورتوں اور نظری اور فکری تقاضوں کے مطابق ہو۔ پاکستان میں عظیم اکثریت مسلمانوں کی ہے یہ خطہ ملک مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ قومی ضرورتوں سے مراد مسلمانوں کی یہ اہم ضرورت ہے کہ ان کا نظام تعلیم اس نہج کے ساتھ ہو۔ کہ وہ اپنی روح کی پیاس بجھا سکے۔ اور اپنے اللہ و رسول کے قوانین کے مطابق عمل کرنے کے لئے اس کی برکت سے آمادہ ہو سکیں اور یہی مسلمانوں کا فطری اور نظری تقاضا ہے۔ اور یہی ایمان کا مطالبہ ہے۔ اگر ہمارے ملک کے نظام تعلیم کی اساس، خوف خدا جوابدہی آخرت، کائنات میں انسان کے صحیح مقام یعنی عبدیت، اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اور ہر شعبۂ زندگی میں پیشوائی و رہنمائی، اور اس طرح کی دوسری روحانی قدروں پر رکھی گئی تو پھر یقیناً پاکستان کو استحکام نصیب ہوگا۔ متوازن ترقی کو فروغ حاصل ہوگا۔ عوام میں فرض شناسی، سچی حب الوطنی اور قومی وقار کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ اور ذاتی صلاحیتوں کی بناء پر تعمیر و تشکیل کردار کے اچھے مواقع بھی ہاتھ آئیں گے۔ قلوب میں نور ایمان ہوگا اور دماغوں میں جلا۔ آنکھوں میں عفت و حیا کی تابناکی ہوگی اور اعضاء و جوارح میں قوت عمل۔

خدا کرے کہ اس کمیشن کے فاضل اور اہل علم ارکان اس اساسی نکتہ سے اپنے کام کا آغاز کریں اور وہ اپنے دائرہ کار کے اردگرد ذہنی اور فکری چکر لگاتے وقت اس مرکزی دائرہ کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔ اسی میں قوم کا، ملک کا، راعی کا رعایا کا بلکہ درحقیقت تمام انسانیت کا بھلا ہے۔

کمیشن کے فرائض میں یہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ کہ وہ مذہبی تعلیم کے اداروں، مدرسوں، مکتبوں اور دارالعلوموں کا بھی جائزہ لے گا۔ ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کہ اب پہلی دفعہ پاکستان کے مذہبی اداروں اور مدرسوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی گئی اور ان کی خدمات اور دینی سلسلہ میں مساعی کار کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ کمیشن کے فاضل ارکان اس سلسلہ میں بھی حقیقت پسندانہ رویہ اختیار فرمائیں گے۔ اور ان مدارس و جوامع کا پورا پورا جائزہ لے کر اس بارے میں مفید سفارشات مرتب کریں گے۔ مدارس عربیہ سے متعلق چند معروضات اشاعت آئندہ میں پیش کی جائیں گی۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اثر زبیری — لکھنوی

لکھا ہوا ہے سرِ عرش یہ بخطِ جلی
محمدِ عربی کے خلیل ہیں صدیق رضؓ

یہی ہیں وہ کہ امامت کو ناز ہے جن پر
نبیؐ کے دعوے کی پہلی دلیل ہیں صدیق رضؓ

عطا ہوا ہے نیابت کا مرتبہ کس کو
خدا رسیدوں میں بھی بے مثیل ہیں صدیق رضؓ

نمونہ ہیں یہ محمدؐ کے خلقِ عالی کا
جہاں میں رحمتِ ربِ جلیل ہیں صدیق رضؓ

یہ اور جرمِ خدا اور رسولؐ ناممکن
سنو! عدالتِ حق کے وکیل ہیں صدیق رضؓ

یہی تو ہیں کہ ہیں مصداق اِذھُمَا فِی الغَار
قسیم میکدۂ سلسبیل ہیں صدیق رضؓ

بیانِ حلم و مروت کا انکی ہو کیوں کر
بہارِ رنگتِ باغِ خلیل ہیں صدیق رضؓ

ملی ہے دین کی دولت انہیں کے صدقے میں
کہو کہ سعیِ نبیؐ کے کفیل ہیں صدیق رضؓ

انہیں سے پہنچی ہے اُمت کو وحیِ پیغمبرؐ!
ہمارے واسطے تو جبرئیلؑ ہیں صدیق رضؓ

"دعوت"

مدارسِ دینیہ عربیہ کی اہمیت و ضرورت!

(اور دینی اداروں کی طرف توجہ کی درخواست)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مشترکہ ہندوستان میں انگریزی دور اقتدار و حکومت کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن اسلامی روایات، اسلامی مسائل و احکام اور مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت ان بوریا نشین علمائے کرام نے کی جنہوں نے ہر طرح کے نامساعد حالات، یورپ سے آئی ہوئی دہریت و الحاد کی آندھیوں، مادیت و حب عاجلہ کے طوفانوں اور اجنبی حکومت کے جور و ظلم کے باوجود قرآن و حدیث کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ مدارس و مکاتیب قائم کئے نہایت تنگی ترشی کے ساتھ گذارا کیا۔ اپنوں اور غیروں کے طعنے سُنے ہر طرح کی سختیاں برداشت کیں۔ مگر قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس اور تبلیغ و اشاعت کے کام میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور ان مجاہدینِ اسلام اور حاملینِ علوم نبویہ کے انہی مجاہدانہ کارناموں اور مساعیٔ جمیلہ ہی کی برکت سے مسلمانوں میں ایمانی رُوح باقی رہی، اسلام کے ساتھ تعلق قائم رہا۔ قرآن و حدیث کے ساتھ مسلمان جُڑے رہے اور اسلامی روایات اور اسلامی تہذیب زندہ رہی اور انہی کی پھونکی ہوئی رُوح تھی جس نے مسلمانوں کے سامنے ایک نصب العین رکھا۔ اور ان کو پاکستان کے نام سے ایک آزاد و خود مختار اسلامی حکومت کی تشکیل و تعمیر کے لئے آمادہ کیا۔ اور یہی جذبہ تھا جو ان کے لئے محرکِ عمل بنا۔ اسی جذبہ نے جد و جہد کے کٹھن مراحل طے کرائے۔ اور بے نظیر قربانیوں پر آمادہ کیا۔ اور آخر کار کامیابی سے ہمکنار کرا دیا۔ اور پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ تقسیم ملک اور پاکستان بننے کے بعد بڑے بڑے اہم [illegible] اور تعلیم و تدریس کے ادارے انڈیا میں رہ گئے۔ اس لئے بہت بڑی ضرورت تھی کہ یہاں پاکستان میں وسیع پیمانے پر دینی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس اور تربیت اخلاق کے لئے علمی ادارے قائم کئے جاتے۔ قرآن و حدیث، فقہ و اصول اور دُوسرے متعلقہ علوم و فنون کے لئے معیاری مدارس، دار العلوم اور جامع وجود میں لائے جاتے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس ذرائع و وسائل تھے اور جن کی یہ اصل ذمہ داری تھی وہ اس اہم دینی اور قومی فریضہ سے غافل رہے۔ مگر جس طرح حضرات علمائے کرام نے انگریزی دورِ اقتدار میں دین اور دینی علوم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جد و جہد جاری رکھی تھی اُن بوریا نشین علمائے کرام نے آزادی اور اپنوں کی حکومت کے اس دَور میں بھی جب اصل ذمہ داروں کو بے پرواہ اور غافل دیکھا تو خود بے پرواہ نہ ہوئے۔ اگرچہ حالات نامساعد تھے مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری چنانچہ جو چند چھوٹے چھوٹے مدارس اس خطۂ ملک میں پہلے سے قائم تھے اُن کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔ بعض مدارس کو مزید ترقی دینے کی مساعیٔ جمیلہ کا آغاز کیا۔ اور بعض نئے مدارس اور مرکزی تعلیمی ادارے دینی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کے لئے کھول دیئے۔ ان تعلیم گاہوں کا سارا نظام اور تمام کام دیندار، خدا ترس، اور علم دوست مسلمانوں کی امداد و اعانت سے چلتا رہتا ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار تو اس طرف اب بھی کچھ توجہ نہیں کرتے۔ زیادہ تر متوسط اور غریب طبقہ کے مسلمانوں کی توجہ سے دین کی یہ خدمت ہو رہی ہے۔ دینی مدارس کے اس نظام اور طریق کار کو اگر غور سے دیکھا جائے اور اس موجودہ

دَور میں ان بظاہر بے حقیقت اور چھوٹے چھوٹے مدارس کی اصل حقیقت کو سمجھا جائے تو یہ ماننا پڑیگا کہ آزاد خیالی والحاد اور دہریت و مادیت کے اندھیروں میں یہی چھوٹے چھوٹے مدارس روشنی کے مینار ہیں۔ اور مغربیت و تہذیب حاضر کے طوفان خیز سمندروں میں یہی اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کے جزیرے ہیں۔ انہی مدارس کی برکت سے مسجدیں آباد ہیں اور اذان کی آوازیں فضاؤں میں گونجتی ہیں۔ قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا ہے۔ خدا و رسول کے ساتھ کچھ لوگوں کا تعلق باقی ہے۔ اور اسلامی زندگی کا نقشہ بار بار سامنے لایا جا رہا ہے۔ اور اصل اسلامی زندگی لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دی جاتی۔ اور وعظ و تقریر، تبلیغ و تلقین اور تدریس قرآن اور تدریس حدیث کا سلسلہ جاری ہے۔ حلال و حرام کی تمیز کسب و تجارت میں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہے۔ ہر میدان میں ممکن سی کے ساتھ ہر برائی کی مدافعت کی جاتی ہے۔ اور بدی کو کھل کر میدان میں کھیلنے کی جسارت نہیں۔ قلوب کو دینی حمیت و غیرت سے گرما دیا جاتا ہے۔ الغرض بہت کچھ دینی خدمت ہو رہی ہے۔ شاید کسی کو ان چھوٹے چھوٹے مدارس و مکاتب کی افادیت کا پورا پورا احساس اب نہ ہوتا ہو۔ لیکن خدانخواستہ یہ روشنی کے مینار نہ ہوتے تو پھر اندازہ لگ جاتا کہ ان کا وجود کس قدر مفید اور ضروری ہے۔

ہم تو علےٰ البصیرۃ تامۃ سمجھتے ہیں کہ ان دینی درس گاہوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں میں دینی حس باقی ہے۔ اور انہی کی برکت سے ملت کی شیرازہ بندی ہوئی ہے۔ اور صرف یہی ذریعہ ہے جس کی وجہ سے قومیت کی صحیح تشکیل و تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان مدارس و مکاتب کو باقی رکھنا بلکہ ان کو ترقی دینا وقت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اور ان کی امداد و اعانت میں حصہ لینا نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضہ ہے۔

یہ تو آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ موجودہ دَور میں علم دین حاصل کرنے والے غریب اور مفلس ہی ہوتے ہیں۔ مالدار اور صاحب حیثیت لڑکے تو ان مدارس میں بھیجے نہیں جاتے۔ وہ تو سکولوں اور کالجوں کے حصہ میں آتے ہیں اور وہاں جا کر سینکڑوں ماہوار خرچ کر کے دنیوی علوم پڑھتے ہیں۔ ان مدارس میں وہی آتے ہیں جو نہ فیس دے سکتے ہیں نہ بورڈنگ کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں نہ کتابیں خرید سکتے ہیں۔ اس لئے ہمارے عربی مدارس میں خالص غریب طبقہ کے بچے آ کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ مسافر اور غریب الدیار طلبۂ علوم دینیہ اپنے اپنے گھروں اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر تنگدستی کی حالت میں ان مدارس عربیہ میں اس لئے آتے ہیں کہ یہاں رہ کر دین حاصل کریں۔ اور قرآن و حدیث اور قانون شریعت اسلامیہ پڑھ کر اپنے علاقوں کو کامیاب ہو کر واپس جائیں۔ اور وہاں امامت، خطابت، تعلیم و تدریس، وعظ و تبلیغ اور دُوسرے مفید طریقوں سے دین کی کچھ خدمت کریں۔ جب یہ طلبہ ان مدارس میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان طلبہ کی تعلیم و تدریس اور کُتب درسیہ مہیا کرنے کے علاوہ خوراک و پوشاک، رہائش۔ علاج روشنی، صفائی وغیرہ تمام ضروریات کی ذمہ داری بھی مدرسہ پر ہوتی ہے مدارس میں ان اخراجات کے لئے جو کچھ فنڈ ہوتا ہے وہ عام اہل خیر مسلمانوں کی امداد و اعانت، صدقہ و خیرات، عطایا اور زکوٰۃ سے مہیا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں کسی عربی مدرسہ کے ساتھ اس کے اخراجات کے لئے مستقل اوقاف، اور آمدنی کے ذرائع موجود نہیں۔ اہل خیر مسلمانوں کی دفتی داد و دہش اور توجہ سے سارا کام چلایا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کا یہ خصوصی فریضہ ہے اور ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ ایسے مسافر طالب علموں کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اِنَّ رجالاً یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بھم خیراً (ترمذی)

کہ کچھ لوگ تمہارے پاس ملک کے دوسرے حصوں سے آئیں گے۔ تاکہ وہ دین کا علم حاصل کریں۔ یاد رکھو کہ جب وہ تمہارے پاس آئیں گے تو میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ تم ضرور بھلائی اور حسن سلوک کے

ساتھ پیش آیا کرو۔

رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے اُن پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے۔ اور یہ زکوٰۃ اس لئے فرض کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے محتاج و غریب بندوں کی امداد کرانا چاہتا ہے۔ اور دین کی راہ میں، اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لئے مسلمانوں سے مال خرچ کرانا چاہتا ہے۔ ان عربی مدارس کے طلبہ کی امداد و اعانت کے لئے مالِ زکوٰۃ دے دینا زکوٰۃ کو سب سے بہترین مصرف میں خرچ کرنا ہے۔ اس سے ایک طرف آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور دوسری طرف علوم دینیہ کی اشاعت و تبلیغ کا ضروری کام بھی سرانجام ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ "یعنی جو شخص علم دین کی طلب میں اپنے گھر سے نکلے وہ اللہ کی راہ میں نکلا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ کر آجائے۔ یہ طالب العلم فقراء و مساکین بھی ہیں۔ ابناء السبیل (مسافر اور غریب الدیار) بھی ہیں۔ اور فی سبیل اللہ بھی۔ اور ہر لحاظ سے اس کے مستحق ہیں۔ کہ آپ زکوٰۃ کی رقم ضرور ان کو دیدیں۔

اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی ضرور پیش نظر رکھئے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۝

(صدقات) اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو روکے ہوئے ہوں اللہ کی راہ میں (یعنی دین کی خدمت میں) اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف اُن کو مالدار خیال کرتا ہے۔ اُن کے سوال سے بچنے کی وجہ سے (البتہ) تم ان لوگوں کو اُن کے طرز و ہیئت سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ اور ان لوگوں کی خدمت کرنے کو جو مال خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔"

اس آیت کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں۔ پس اس بناء پر سب سے اچھا مصرف طالب العلم ٹھہرے۔ اور ان پر جو بعض ناتجربہ کاروں کا یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا۔ اس کا جواب قرآن مجید میں دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ایک شخص دو ایسے کام نہیں کر سکتا۔ جن میں سے ایک یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کا کچھ مذاق ہوگا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ اکتساب کا شغل جمع نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں" (بیان القرآن ص ۱۵۴ ج ۱)

مدارس عربیہ کی امداد و اعانت عموماً تاجر حضرات کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ لیکن ہمارے ملک میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے جس قدر جدوجہد کی واقعی ضرورت ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کام نہیں ہو رہا ہے۔ نئے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تعلیم و تدریس کے طریقوں اور نصاب میں بھی ترمیم ہونی چاہئے۔ لیکن ذرائع و وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ تمام تجاویز بار بار سامنے آجانے کے باوجود عملاً جاری نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اہل خیر اور سادہ تمند تاجر حضرات کی خدمت میں مزید درخواست کی ضرورت پیش آتی ہے۔ صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل و برکات اور ثواب و درجات سے آپ لوگ یوں تو اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی کی طرف خصوصی طور پر توجہ دلانا ضروری ہے۔ جس میں تاجر حضرات ہی کو مخاطب بنا کر آپ نے اُن کو اُن کے فائدہ اور آخرت کی بھلائی کی ایک بات ذکر فرمائی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلِفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ (مشکوٰۃ شریف ۔ بحوالہ سنن اربعہ)

اے تاجروں کے گروہ خرید و فروخت یعنی تجارتی کاروبار میں (نادانستہ طور سے بھی) غلط باتوں اور قسموں کے مواقع پیش آتے ہیں، تو تم کو چاہئے کہ (توبہ و استغفار کے ساتھ) کاروبار کے ساتھ صدقہ و خیرات بھی کر لیا کرو۔ (تاکہ وہ اُن نادانستہ غلطیوں کا کفارہ بن جایا کرے)

اور حقیقت تو یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسی نفع بخش تجارت ہے جس میں کسی خسارے کا احتمال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کے دین کی نصرت و حمایت کے سلسلہ میں آپ جو کچھ مال و متاع خرچ کر دیں گے اس کو یوں نہ سمجھیئے کہ وہ آپ نے کوئی چیز خرچ کر کے کھو دی ہے بلکہ یہ یقین کیجئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے "بنک" میں اپنے سرمایہ کو اُس دن کے لئے محفوظ کر دیا ہے جس دن اگر کوئی زمین بھر سونا اور چاندی بھی خرچ کرنا چاہے اور عذابِ الٰہی سے نجات کی کوشش کرے تو وہ قبول نہ ہوگا اور نجات نہ ہو سکے گی۔ اور جس کسی نے اب اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اُس دن کی سختیوں سے نجات پانے کے لئے ایک پیسہ بھی راہِ خدا میں دے دیا تو وہ اس کے لئے کارگر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وجدوا ما عملوا حاضراً وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیراً واعظم اجراً کے مطابق اس کو موجود اور اپنے لئے مفید پائے گا۔ اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید کی۔ اس کی ترغیب دی اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ ۳۴)

اے ایمان والو خرچ کر لو اُن چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی (قیامت کا) آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ (بلا اذن الٰہی) کوئی سفارش ہوگی۔ اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں۔ (تو تم ایسے مت بنو)

پس اللہ تعالیٰ اور اُس کے سچے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو اپنے سامنے رکھیئے۔ اور سوچئے کہ آپ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے بلکہ بسا اوقات غیر ضروری امور میں خرچ کرنے کے لئے ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو کیا ایمان کا تقاضہ یہ نہیں کہ دین کے لئے اور خداوند تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لئے دل کی خوشی کے ساتھ سینکڑوں تو خرچ کر دیں۔ یاد رکھیئے کہ ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باقٍ ۝ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو ختم ہو کر رہے گا اُس کے لئے کوئی بقا و دوام نہیں۔ اور جو اللہ کے نام پر صدقہ و خیرات کر کے اللہ کے ہاں بھیجو گے بس درحقیقت وہی باقی رہنے والا مال ہے۔ دولت کو دولت کہتے اس لئے ہیں کہ اس کے لئے کوئی ثبات و دوام نہیں آج کسی کے ہاتھ میں ہے تو کل کسی دوسرے کے قبضہ میں۔ ایک ہاتھ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے والی شے کا نام دولت ہے۔ حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا المال غادٍ و رائح۔ یعنی مال ایک ایسی شے ہے جو صبح کو آتی ہے اور شام کو جاتی ہے۔ اور شام کو آتی اور صبح کو جاتی ہے۔ اس لئے نیک بختی اُس شخص کی ہے جو اس مال و دولت کو قبل اس کے کہ اس کے ہاتھ سے نکل کر اور کہیں چلی جائے اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کا ذخیرہ بنا دے۔ آپ نے خود اپنی زندگی میں ایسی مثالیں بہت سی دیکھی ہوں گی کہ بہت سے دولتمند اچانک ہی کسی غیبی افتاد سے مفلس و قلاش بن گئے۔ اور لاکھوں سے کھیلنے والے ایک ایک حبہ کو ترسنے لگ گئے۔ الغرض دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ذخیرہ اندوزی کے لئے جو مہلت اور موقع دیا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اور جیسا کہ ابتداء میں تفصیل کے ساتھ عرض کر دیا دینی مدارس و مکاتب کے قیام و بقاء اور علوم قرآن و حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشش کرنا اور طلبۂ علوم دینیہ کی امداد و اعانت کرنا سب سے بڑی نیکی اور فی سبیل اللہ کارِ خیر ہے۔

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا

انتیسویں ۲۹ سالانہ عظیم الشان تبلیغی

جلسہ

بمقام

جامع مسجد بھیرہ

مورخہ ۲۷، ۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۵۹ء مطابق ۱۸، ۱۹، ۲۰ شعبان ۱۳۷۸ھ موافق ۱۶، ۱۷، ۱۸ پھاگن سمت ۲۰۱۴

بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار جسمیں پاکستان کے نامور و مقتدر علمائے کرام و مشائخ عظام دور دراز سے تشریف لاکر اصلاحی و اخلاقی مضامین عالیہ سے مستفیض فرمائیں گے بڑے اشتہار میں مفصل بیان کیا جائیگا۔ شائقین ان تاریخوں پر شامل اجلاس ہوکر ثواب دارین حاصل کریں اور بڑا اشتہار خط لکھ کر مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل فرمائیں۔

الداعی۔ افتخار احمد گوی امیر حزب الانصار بھیرہ (پاکستان)

فریضۂ زکوٰۃ

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے۔ گویا وہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے پاس ایک مقرر مقدار میں مال و دولت ہو وہ ہر سال حساب لگا کر اپنی دولت کا چالیسواں حصہ غریبوں، مسکینوں پر یا نیکی کی اُن دوسری مدوں میں خرچ کر دیا کرے۔ جو زکوٰۃ کے خرچ کے لئے اللہ و رسول نے مقرر کی ہیں۔

زکوٰۃ کے مسائل و احکام اور مصارف کا تفصیلی بیان فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ یا وہاں دیکھا جائے یا سمجھنے کے لئے محقق علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔

زکوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت

قرآن شریف میں جا بجا نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اگر آپ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوں گے تو اس میں آپ نے بیسیوں جگہ پڑھا ہوگا۔ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ (یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) اور کئی جگہ مسلمانوں کی لازمی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ (یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے وہ اصلی مسلمان نہیں ہیں کیونکہ اسلام کی جو باتیں اور جو صفتیں اصلی مسلمانوں میں ہونی چاہئیں۔ وہ اُن میں نہیں ہیں۔ بہر حال نماز نہ پڑھنا اور زکوٰۃ نہ دینا قرآن شریف کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی صفت نہیں ہے۔ بلکہ کافروں اور مشرکوں کی صفت ہے۔ نماز کے متعلق تو سورۂ روم کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الروم ع ۴) نماز قائم کرو (اور نماز چھوڑ کے) مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

اور زکوٰۃ نہ دینے کو مشرکوں، کافروں کی صفت، سورۃ "فصلت" کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے۔

وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ (فصلت ع ۱)

ان مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے اور ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے۔ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر اور کافر ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے کا دردناک عذاب

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا جو برا انجام قیامت میں ہونیوالا ہے اور جو سزا اُن کو ملنے والی ہے۔ وہ اتنی سخت ہے کہ اس کے سننے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور دل کانپنے لگتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝ (سورۃ توبہ ع ۵)

اور جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت) جوڑ کے رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان پر جو زکوٰۃ وغیرہ فرض ہے اس کو ادا نہیں کرتے) اے رسول تم انہیں سخت دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ جس دن کہ تپایا جائیگا ان کی اس دولت کو دوزخ کی آگ میں۔ پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور پیٹھیں (اور کہا جائیگا) یہ ہے وہ مال و دولت جس کو تم نے جوڑا تھا اپنے واسطے۔ پس مزہ چکھو اپنی جوڑی ہوئی دولت کا۔ (توبہ)

اس آیت کے مضمون کی کچھ تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بھی فرمائی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس سونا چاندی (مال و دولت) ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے

(یعنی زکوٰۃ وغیرہ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن اس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی پھر اُن کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کر کے اُن سے اس شخص کی پیشانی کو اور کروٹ کو اور پُشت کو داغا جائے گا۔ اور اس طرح بار بار اُن تختیوں کو دوزخ کی آگ پر تپا کے اس شخص کو داغا جاتا رہے گا اور روزِ قیامت کی پُوری مدّت میں اس عذاب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور وُہ مدّت پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ (تو گویا پچاس ہزار سال تک اُن کو یہ سخت دردناک عذاب ہوتا رہے گا)

بعض حدیثوں میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے اس کے علاوہ اور دُوسرے سخت عذابوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے عذاب سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو خوشحال اور مالدار کیا ہے وُہ اگر زکوٰۃ نہ دیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ نہ کریں تو بلاشبہ وُہ بڑے ہی ناشکرے اور بڑے ظالم ہیں۔ اور اُن کو جو سخت سے سخت سزا بھی قیامت میں دی جائے بالکل بجا ہے۔

زکوٰۃ نہ دینا ظلم اور کفرانِ نعمت ہے

پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ زکوٰۃ و صدقات سے دراصل اپنے ہی غریب اور ضرورتمند بھائیوں کی خدمت ہوتی ہے تو زکوٰۃ نہ نکالنا دراصل اپنے اُن غریب اور مجبور بھائیوں پر ظلم کرنا اور اُن کا حق مارنا ہے۔ بھائیو! ذرا سوچو ہمارے آپ کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وُہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا تو دیا ہوا ہے اور ہم خود بھی اُسی کے بندے اور اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پس اگر وہ ہم سے ہمارا سارا مال بھی طلب کرے بلکہ جان دینے کو بھی کہے تو ہمارا فرض ہے کہ بلا چُون و چرا سب کچھ دیدیں۔ یہ تو اس کا بڑا کرم ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے صرف چالیسواں حصہ نکالنے کا اُس نے حکم دیا ہے۔

زکوٰۃ کا ثواب

پھر اللہ تعالیٰ کا دوسرا بہت بڑا کرم اور احسان یہ ہے۔ کہ اُس نے زکوٰۃ اور صدقہ کا بہت بڑا ثواب مقرر کیا ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ یا صدقہ دینے والا بندہ جو کچھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے مال میں سے دیتا ہے۔ اس لئے اگر اللہ پاک اس پر کوئی ثواب نہ دیتا تو بالکل حق تھا۔ مگر یہ اس کا کرم ہی کرم ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے ہم جو کچھ اس کے حکم سے زکوٰۃ یا صدقہ کے طور پر اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو وُہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے اور اس پر بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ فرماتا ہے۔ قرآن مجید ہی میں ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(سورۃ بقرہ ع ۳۶)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اُن کے اس خرچ کرنے کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے پودا اُگے۔ اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے۔ وُہ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ وُہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں اُن کے واسطے اُن کے رب کے پاس بڑا ثواب ہے۔ اور انہیں قیامت میں کوئی خوف و خطر نہ ہوگا۔ اور نہ وُہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت میں زکوٰۃ دینے والوں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین وعدے فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جتنا وُہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس کے بدلے سینکڑوں گنا زیادہ دیگا۔ دُوسرے یہ کہ اُن کو بڑا اجر و ثواب ملیگا۔ اور بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی تیسرے یہ کہ قیامت کے دن اُن کو کوئی خوف و خطر اور کوئی رنج و غم نہ ہوگا سبحان اللہ! بھائیو! صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں پر پورا پورا یقین تھا۔ اس لئے اُن کا حال یہ تھا کہ جب راہِ خدا میں صدقہ کرنے کی فضیلت اور ثواب کی آیتیں حضور پر نازل ہوئیں اور انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اُن کا بیان سُنا تو اُن میں جو غریب تھے اور جن کے پاس صدقہ کرنے کے لئے پیسہ بھی نہ تھا وُہ بھی صدقہ کرنے کے ارادے سے

بقیہ صفحہ ۳۰

ایمان وامان

از جناب مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی

(سلسلہ کے لیے دیکھو رسالہ ماہ اکتوبر)

تیسرا سوال

اب ہم فطرت انسانی کے تیسرے سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ پوچھتی ہے کہ جادۂ زندگی پر چلنے کے لیے انسان رہبر کسے بنائے؟ یہاں بھی اس کو دو جماعتوں کی طرف سے دو جواب ملتے ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ عقل رفیق سفر ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی رہبر کی احتیاج نہیں ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ عقل خود خادم کار ناتجربہ کار اور محتاج مددگار ہے۔ رہبری اُس کی قبول کرو جو اس نقصان سے پاک ہے۔ جس نے زندگی کو بنایا ہے وہی اس کا صحیح رُخ اور اُس کے پیچ وخم بھی بتا سکتا ہے اس رہبر حقیقی نے اس مقصد کے لیے تحریری ہدایت نامے بھی ہم کو دیے ہیں اور اپنے بہت سے خاص بندوں کو بھی اس کام کے لیے مقرر کیا ہے کہ وہ ان تحریری ہدایت ناموں کی عملی تشریح کریں۔ گویا وحی ربانی ہی وہ روشنی کا منارہ ہے۔ جو زندگی کے طوفان خیز سمندر میں صحیح راستہ بتا سکتا ہے۔ عقل کا کام یہ ہے۔ کہ وہ ان ہدایتوں کو سمجھنے اور انسان کی عملی قوتوں کو ان کے ماتحت حرکت کرنے کے لیے ابھارے

یہ دو راہیں ہیں دنیا کے دماغ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہو گئے ہیں۔ دیکھنا صرف اتنا ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا راستہ امن وسلامتی تک لے جاتا ہے اور کون فتنہ وفساد تک پہنچاتا ہے۔

عقل انسانیت کا تابناک جوہر۔ افق زندگی کا درخشاں ستارہ اور زندگی کی رفیق شفیق ہے۔ اگر وہ ہماری ہدایت ورہنمائی کے لیے کافی ہو تو ہمیں اُس کی رہبری کے قبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ لیکن راہ زندگی کے کسی اجنبی موڑ پر جب ہم تھک کر یا بھٹک کر بیٹھ جاتے ہیں اور آگے قدم بڑھانے کے لیے اس راہنما کو آواز دیتے ہیں تو اس جنس مانوس کے سیکڑوں نامانوس افراد مختلف اور متضاد ہدایتوں کے ساتھ آجاتے ہیں اور ہمیں شاہراہ سے ہٹا کر وادی حیرت میں پہنچا دیتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی معاشی خواہشوں کے قافلے کو کس راستے پر لے چلیں۔؟ سوال ختم نہیں ہو چکتا کہ فضا متناقض جوابات سے گونج اٹھتی ہے۔

ایک طرف قارون، فرڈ وغیرہ کی عقلیں چیخ چیخ کر چاندی سونے کے راستہ کی طرف دعوت دیتی ہیں دوسری طرف مارکس لینن وغیرہ کی عقلیں اشتراکیت کی تختی کیطرف اشارہ کرتی ہیں۔ کچھ گوشہ گیر راہب اور جنگل باسی سنیاسی ترک دنیا کا مشورہ دیتے ہیں۔ کچھ بے بال کے سروں میں رہنے والی عقلیں کتابوں کے انبار میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ کچھ اس مقصد کے لیے اونچی اونچی چوٹیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

یہ پھر بھی بعد کی بات ہے شعور زندگی کا اولیں قدم سوالیہ جملہ کا نشان بن کر پوچھتا ہے۔ کہ میں کدھر جاؤں میری

منزلِ مقصود کیا ہونی چاہیے؟ قیام کہاں ہوگا۔؟ اور اس کے بعد کہاں جانا ہوگا۔ اتنا اہم، عام اور ضروری سوال اور عقل کا یہ حال کہ کسی بات پر نہ قیام ہے نہ اطمینان۔ قدم لرزاں، دل ترساں، آنکھیں بند اور زبان تناقض بیان کی ترجمان۔ جبراً قہراً دو چار قدم ٹٹول ٹٹول کر چلتی ہے، اور ٹھوکر کھا کر گرتی ہے تو کبھی وادیٔ حیرت کے پر پیچ راستہ میں ساری عمر بھٹک کر گذارتی ہے۔ اور کبھی افکار کے غار میں گر کر ہلاک و برباد ہوتی ہے۔ تعجب نہ کیجیے تھوڑی دیر کے لیے افلاطون، ارسطو، سقراط، ہیگل، برکلے، یرگمان، اسپنسر، لاک وغیرہ ان عجیب عقلوں کے کارناموں پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ جنھوں نے اس موضوع پر روشنائی اور کاغذ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ صرف کیا ہے۔ ان کے متناقض اور متضاد مشورے کو دیکھیے جن پر نظر کرنے سے حیرت و استعجاب بھی عالم تحیر میں راہ بھول جاتے ہیں۔

اخلاق اور کردار کے اقدار کا مسئلہ روزمرہ کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے اس ضروری مسئلہ پر عقلوں کے متضاد بیانات کو سن کر انسان حیرت میں رہ جاتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ آج تک یہ بھی طے نہ ہو سکا کہ خیر اور بھلائی کس چیز کا نام ہے۔ اگر اس مسئلہ کے متعلق فلسفیانہ بیانات کی فہرست تیار کی جائے تو بلا مبالغہ عمر کا اکثر حصہ ہی میں صرف ہو جائے اور غریب زندگی منزل تردد کے اندھیرے میں بھٹک بھٹک کر جان دیدے۔ تحیر خیزی کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ مگر جب ہم افلاطون، اسپنوزا، لاک، کانٹ مل وغیرہ کے پہلو بہ پہلو نیرو، زار، ہلاکو، چنگیز وغیرہ کو بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ہماری حالت کو بیان کرنے کے لیے حیرت کا لفظ بھی ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی عقل نے تو دنیائے اخلاق کا تختہ ہی الٹ دیا اور اپنے نظریات پر عمل کر کے بھی دکھا دیا آخر ان کی عقل و فہم بھی تو انسانی عقل و فہم تھی؟۔

تمدن اور ارتقاء انسانیت کے لیے اجتماع ناگزیر ہے حق اور فرض یہی دو سپاہی ہیں جن کے تعین کے بغیر اس قصر اجتماع اور خزینۂ انسانیت کی حفاظت غیر ممکن ہے۔ مگر غریب عقل اس معاملہ میں بھی اسی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ذرا مقننین اور ماہرین علم سیاست و دساتیر کی کتابیں ملاحظہ فرمائیے کہ اس بارے میں ان کے درمیان کتنے اختلافات ہیں۔ عملی دنیا میں تو عقلوں کا یہ اکھاڑا بہت وسیع ہے اور کشتی برابر جاری ہے۔ جب ایک جوڑ رخصت ہو جاتا ہے۔ تو دوسرا جوڑ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ غریب زندگی آئینہ بن کر پہلوانوں کے داؤں پیچ کو دیکھتی ہے اور اس میں محو ہو جاتی ہے۔

یہ نمونے اور مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے یہ مشتے نمونہ از خروارے بھی نہیں ہیں۔ لیکن اظہار حقیقت کے لیے بالکل کافی ہیں۔ اب میں دنیا کے ہر ایسے انسان سے پوچھتا ہوں جس کے سر پر عقل و فہم کا تاج رکھا ہوا ہے۔ جس کے دماغ کے پیچیدہ راستے اس قمقمہ سے روشن ہیں، جس کا ذہن کسی جسمانی یا نفسانی مرض سے ماؤف نہیں ہو گیا ہے۔ خواہ وہ عالم تخیل و استدلال پر حکمرانی کرنے والا کوئی فلسفی ہو، یا خیالستان کی رومانی دنیا میں بسنے والا شاعر، یا مادہ و قوت کا پرستار سائنسدان یا طاقت و جبروت کا مظہر حکمران، یا زرین دماغ سرمایہ دار، یا غربت و فلاکت کا شکار جاہل کاشتکار، میں دنیا کے ہر انسان سے پوچھتا ہوں اور خدا اور انسانیت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ انسان کس عقل کو راہ زندگی کا رہبر بنائے؟ اور کس کی سمجھ سے زندگی میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو سلجھائے۔

بعض اشخاص گھبرا کر کبھی یہ بھی کہنے لگتے ہیں۔ کہ ہر انسان اپنی عقل پر بھروسہ کرے۔ اور اس کے فیصلے کو آخری فیصلہ سمجھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کتنی عقلیں اس قابل ہیں کہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی ہمت بھی کر سکیں۔

پھر کیا ہر عقل کی اس آزادی اور خود مختاری کے اصول پر دنیا کا کوئی نظامِ زندگی، اور کوئی اجتماع کبھی وجود میں آسکتا ہے؟ یا باقی رہ سکتا ہے؟ مسئلہ کے ہر پہلو سے یہاں بحث نہیں ہے۔ بات صرف اتنی کہنی ہے کہ عقلوں کے ان اختلافات کے پیش نظر ایسی زندگی ہرگز فتنہ و فساد، مصیبت و بدامنی سے خالی نہیں ہوسکتی جس کی رہنمائی محض انسانی عقل کر رہی ہو — جہاں انسانیت کو ہزاروں رہبر مختلف راہوں اور سمتوں کی جانب پوری قوت سے کھینچ رہے ہوں، وہاں اس کے جسم کے ٹکڑے گرد کاروان کے ہمدوش تو ہو سکتے ہیں مگر اس کا کسی راہ پر چلنا یا منزلِ مقصود پر پہنچنا محال ہے۔ دنیا کے وہ غلط اور زہریلے نظریات جو ساری دنیا میں فتنہ و فساد، قتل و خونریزی تکلیف و پریشانی کی آگ بھڑکا دیتے ہیں، اسی عقل پرستی کا نتیجہ ہیں۔ یا کسی اور چیز کا؟ کیا عقل کو آخری حکم (FINAL AUTHORITY) اور رہبر کامل ماننے کے بعد ان نظریات کی پیداوار میں کوئی کمی پیدا کی جا سکتی ہے؟ عقل کی قوت رہبری سے انکار نہیں۔ اس کو معطل کر دینا یا اسکو بالکل غیر معتبر سمجھنا اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت کا کفران ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا سے انسان کبھی نہیں بچ سکتا لیکن اس سے وہ کام لینا جو اس کی قدرت سے باہر ہے، اس سے اس چیز کی طلب کرنا جس سے اس کی جیب خالی ہے اور اس پر ایسا وزن رکھنا جس کی برداشت سے اس کے بازو عاجز ہیں یہ بھی کفرانِ نعمت، ظلم اور ایسا جرم ہے جس کی سزا دنیا میں سفاہت و حماقت اور جہل کی صورت میں اور آخرت میں عذاب و مصیبت کی شکل میں ملنی ناگزیر ہے۔

جب عقل خود رہبر کی تلاش میں ہو اور اپنی اس احتیاج کا بار بار اقرار کر رہی ہو تو رہبری کا پورا بار اس پر ڈال دینا خلافِ عقل اور کھلی ہوئی ناسمجھی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس پر یہ ناقابل برداشت بوجھ رکھنے کے بجائے اس کے لیے رہبر تلاش کرے۔ اور اس کو رفیق سفر بنا کر راستہ کی وحشت و اجنبیت کو دور کرے۔؟

یہ رہبر کون ہو سکتا ہے۔؟ وہ رہنمائی جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت یعنی عقل انسانی سے بھی برتر ہو صرف وحی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جس سے جہالت کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کی مدد سے انسان کامل انسان بن سکتا ہے۔

وحی ربانی کی پیروی امن عالم کی ضامن ہے۔ اس حقیقت کو بہت معمولی سی توجہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے وحی ربانی وہ نقطے مقرر کر دیتی ہیں جہاں افکار کے سب خطوط آکر مل جاتے ہیں، افکار کے مختلف دھارے اسی سنگم پر آکر مل سکتے ہیں جہاں ان کا تصادم ختم ہو کر اتحاد کی موجوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور انسانیت کی کشتی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر امن و سلامتی کے ساحل تک پہنچا دیتا ہے۔ بدامنی شخصی ہو یا اجتماعی، ہمیشہ ذہنی تصادم سے شروع ہوتی ہے۔ یہ تصادم اس وقت ہوتا ہے جب افکار کے رخ ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں۔ اگر سمتیں باہم متصادم نہ ہوں تو خیالات مختلف ہونے کے باوجود تصادم پیدا نہیں ہو سکتا اللہ کے رسولوں کی رہنمائی سارے عالم کے افکار کو ایک ہی رخ پر لے چلتی ہے، اس لیے ان میں تصادم تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر ساری دنیا وحی الٰہی کی رہنمائی قبول کرے۔ اور ہر چیز کا آخری فیصلہ اسی پر چھوڑ دے تو امن و راحت کی بہار کبھی خزاں کا منحوس چہرہ نہ دیکھ سکے۔

وحی کی روشنی کے بغیر انسانی زندگی کے بنیادی مسائل اندھیرے میں رہتے ہیں، عقلیں اس اندھیرے میں گھبرا کر باہم دست و گریباں ہو جاتی ہیں۔ بادشاہوں کی کشاکش پورے ملک کی کشاکش ہوتی ہے۔ ان حکمران طاقتوں کے الجھتے ہی ساری زندگی کشمکش کا عنوان بن جاتی ہے۔ اور انسان

کی ساری طاقتیں میدان کارزار میں کود پڑتی ہے۔ ربانی ہدایت ان بنیادی مسائل زندگی اور اس کی ناگزیر حقیقتوں کو روشن کر دیتی ہے۔ جس سے ساری زندگی روشن ہو جاتی اور عقل کی الجھن دور ہو جاتی ہے۔ جب عقل صحیح راستہ پر چلے تو انسان کی سب طاقتیں ٹھیک راستہ پر چلتی ہیں اور جنگ وجدل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ عقل و دل کی کشمکش دنیا کا ایک ناگزیر حادثہ ہے۔ یہی دو طاقتیں عالم انسانیت پر حکمرانی کرتی ہیں۔ جب دل غالب ہوتا ہے۔ تو عالم افکار میں لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ عقل مجروح و سکتہ ہو کر نسیان و غفلت کے جنگلوں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ اور اگر عقل فتح یاب ہوتی ہے تو ارمانوں کے خون سے دل کی سرزمین لالہ زار ہو جاتی ہے عقل دب جائے یا جذبات ختم ہو جائیں دونوں صورتوں میں انسانیت ناقص ہو جاتی ہے وحی ربانی اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی رہبری ہی وہ طاقت ہے۔ جو ان دونوں طاقتوں میں امتزاج توافق اور اعتدال پیدا کرتی ہے اور انسانیت کے ان دونوں بازوؤں کو تناسب کے ساتھ طاقت پہنچاتی ہے۔ یہی معتدل فضا ہے۔ جس میں راحت و آسائش امن و امان کا پودا نشو و نما پا کر اپنی سرسبزی و شادابی سے سارے عالم کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے؟۔

سوچنے کے دو طریقے

انسان کے جن فطری سوالات کے متعلق ہم اوپر گفتگو کر چکے ہیں انھیں سے انسان کی ذہنی تگ و دو کے لیے دو راستے مقرر ہو جاتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات ہی درحقیقت ان راستوں کو پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کے درمیان مشرق و مغرب سے زیادہ مسافت اور اختلاف پیدا کر دیتے ہیں۔

مسائل زندگی کو سوچنے کے لیے ایک ایمانی طرز فکر ہے جو توحید، آخرت اور رسالت و نبوت کے عقیدوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور پوری زندگی کا جوہر خیال، قوت محرکہ، اور فیصلہ کن عنصر ہوتا ہے۔ دوسرا طرز فکر مادیت، انکار آخرت اور عقل کی پرستش سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ اور اول کی طرح پوری انسانی زندگی میں جاری و ساری ہوتا ہے۔

یہی وہ طرز فکر اور وہ ذہنیتیں ہیں جو اپنے مناسب نظریات و حالات پیدا کرتی ہیں۔ یہی زندگی کا رخ مقرر کرتی ہیں۔ انسان ہزار کوشش کرے مگر نہ ضدین کو جمع کر سکتا ہے اور نہ ذہنیت کو تبدیل کیے بغیر نظریات و افکار، ذوق و رجحان، خواہش و میلان، عمل و کردار میں کوئی قابل التفات تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ دونوں ذہنیتوں کے اجزائے ترکیبی اور ان کے اثرات و خواص اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب مجموعی طور پر بھی اجمالاً ان دونوں راستوں کی منزلوں سے تعارف حاصل کر لیجیے۔

اگر آپ لاہور سے کراچی جانا چاہتے ہیں تو خانیوال، سکھر اور اسی طرح کے دوسرے اسٹیشن پڑیں گے جن کی تعمیر اس راستہ پر کی گئی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس راستہ پر گوجرانوالہ، راولپنڈی وغیرہ اسٹیشنوں سے آپ کو گذرنا ہو۔ بالکل اسی طرح جب فکر کا مسافر خدا سے بغاوت کر کے آخرت سے منہ موڑ کر اور خود رائی کو رفیق بنا کر سفر کرتا ہے تو اس کا ایسے نظریات کی منزلوں سے گذرنا ناگزیر ہے۔ جو امن عالم اور اطمینان قلب کے دشمن ہیں۔

وہ زندگی، وہ تمدن، وہ معاشرت جس کی بنیاد یہ غیر ایمانی طرز فکر اور باغیانہ ذہنیت ہو۔ جس کی پوری عمارت مادیت کے کوہ آتش فشاں پر کھڑی کی گئی ہو۔ جس میں افعال و کردار کی قدریں ہوا و ہوس، لذت و خواہش جاہ و مال کی نسبت سے مقرر کی جاتی ہوں، جس کی نظروں کے سامنے کوئی اعلیٰ نصب العین اور مادیت کے پست میدان کے علاوہ کوئی بلند و برتر میدان نہ ہو، جس کی رگ رگ میں خود غرضی اور نفس

پرستی کا زہر سرایت کر گیا ہو، جس میں اچھائی برائی، روشنی و تاریکی سیاہی و سپیدی میں امتیاز پیدا کرنے کا خاصہ بالکل معدوم ہو، جس میں موت کے بعد کچھ نہ ہو جو محض پست درجے کے حواس اور پابند حواس عقل فرد مایہ کے اشاروں پر متحرک ہو، خالص مادی ذہنیت جس کی روح رواں ہو۔ جو توحید سے روگردانی اور وہمی و خیالی معبودوں کی زندگی کی فضا میں نشو و نما حاصل کرے؟ اسمیں ایسے ہی نظریات پیدا ہو سکتے ہیں جو انسانیت کے دشمن، چمنستان امن و امان کے لیے پیام خزاں اور خرمن آدمیت کے لیے شعلہ جوالہ ہوتے ہیں۔

نظریہ سرمایہ پرستی کا شجرۂ خبیثہ جس کی آبیاری خون دہقان سے کی جاتی ہے اور جس کے تلخ و زہریلے انسانیت کے گلے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسی غیر ایمانی زمین کی سرزمین میں پیدا ہوتا ہے۔ اشتراکیت کا امن سوز اور انسانیت کش نظریہ بھی اسی قسم کے دماغ سے نکلتا ہے۔ ہٹلر کی نازیت، مسولینی کی فاشیت اور اسی قسم کی باطل، امن سوز، اور فتنہ بردوش نظریات و افکار جنہوں نے عالم کو جہنم ارضی بنا دیا تھا۔ اسی طرز فکر اور اسی اصول زندگی کا نتیجہ تھے۔ جب تک یہ غیر ایمانی طرز فکر نہ بدلا جائے اور دنیا ایمانی طرز فکر کو نہ اختیار کرے۔ اُس وقت تک اسی قسم کے نظریات و افکار برابر وجود میں آتے رہیں گے اور دنیا کی کوئی تدبیر ان کی پیدائش کو نہیں روک سکتی۔

جب زندگی کی روح اللہ اور اس کے رسولوں اور آخرت پر یقین و ایمان کو بنا دیا جائے۔ اور اُس سفر کا نقطۂ آغاز و انجام اللہ کی رہنمائی سے مقرر کیا جائے۔ جب انسان اپنے افعال و کردار کے لیے ہر چیز کو جاننے اور دیکھنے والے تنہا معبود و مالک کے سامنے جواب دہ ہو۔ جب اس کے سامنے ایک اعلیٰ زندگی، اعلیٰ نصب العین، اور وسیع میدان ہو، جب اس کی عقل وحی ربانی کی اعانت و امداد سے بے پناہ طاقت و قوت حاصل کرے۔ جب اخلاق و کردار کی قدریں آخرت کی نسبت سے مقرر ہو کر اُن کے نرخ کو عقل کی رسائی سے بھی بالاتر کر دیں، جب اعلیٰ لذتوں کا یقین پست لذتوں کو انسان کی نظروں سے گرا دے، جب آدمی دوسروں کی بھلائی میں اپنی بھلائی دیکھتا ہو، جب حق تعالیٰ کے خوف اور اس سے امید کی مضبوط رسیاں انسان کے ہاتھوں میں ہوں تو دنیا کا کوئی امن سوز نظریہ، کوئی باطل فکر، کوئی فتنہ انگیز تخیل ذہن میں داخل نہیں ہو سکتا اور امن و امان، راحت و اطمینان کو عالم سے کوئی شخص جلاوطن نہیں کر سکتا۔

قیام امن و امان اور حصول اطمینان کی ساری موجودہ کوششیں فضول ہیں۔ اس کی تدبیر ایک اور صرف ایک ہے۔ کہ دنیا اسلامی طرز فکر اختیار کرے۔ ایمان ہی وہ چیز ہے جو اس اجڑی ہوئی بستی کو آباد کر سکتا ہے جو اطمینان قلب کا لٹا ہوا سرمایہ انسان کو واپس دلا سکتا ہے۔ جو جلاوطن کی ہوئی انسانیت کو پھر دنیا میں واپس لا سکتا ہے۔ اور جو فتنہ و فساد کو مٹانے والا طرز فکر پیدا کر سکتا ہے۔

سارے فتنوں کا علاج ایمان اور محض ایمان ہے۔ ایمان سے امان ہے۔ بغیر ایمان کے امان ایسا لفظ ہے جو کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتا۔

ترقی کا صحیح راستہ

جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی

اصل موضوع پر کلام کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوگا۔ کہ ہم ترقی کے مفہوم کی بابت اپنے ذہنوں کو صاف کرلیں۔ کیونکہ ہمارے اس خوف اور لالچ کے برق رفتار عہد نے مختلف قدروں ہی میں اہم تبدیلیاں نہیں کر دی ہیں۔ بلکہ اکثر الفاظ کے قالبوں میں نئے نئے معانی ڈال کر بقول غالب

ع خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

ہم کہتے کچھ ہیں اور ہمارا ذہن کسی اور طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ہمارے خیالوں میں پراگندگی اور سوچنے اور سمجھنے کے طریقہ میں کجی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں۔ کہ ترقی کے معنے آگے بڑھنے کے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرف؟ ہم کس شخص یا کس قوم کو ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں؟ ہمارا زمانہ مغرب سے مرعوبیت کا زمانہ ہے۔ اور اگرچہ اب مشرقی قومیں بھی اپنے صدیوں کے خواب سے چونک کر، غلامی کی زنجیریں توڑ کر اپنے گردوپیش کو تھوڑی بہت تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں۔ مگر عام حالت اب بھی یہی ہے۔ کہ جو سکے مغربی تہذیب ڈھال کر بھیج دیتی ہے۔ وہ بلا تکلف ہمارے یہاں رائج ہوجاتے ہیں۔ اور ہم کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی زحمت نہیں گوارا کرتے۔

مغرب کا ذہن تمام تر مادہ پرست ہے۔ اور اسے ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ یہ ثمرہ ہے رومن تہذیب کا۔ اور رومن تہذیب کی بنیاد قدیم یونانی تہذیب نے رکھی تھی جو مادی ترقی اور حظ نفس کو مقصود بالذات سمجھتی تھی۔ چنانچہ اس کی تعمیر ہی میں اس کی خرابی کی صورت مضمر ہے۔ مغربی تمدن میں اولاً تو دینی شعور ہے ہی نہیں۔ اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ زمانہ کے آگے آگے چلنے کے بجائے اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اس تمدن کی بنیاد ابتدا میں سائنس اور صنعت وحرفت اور سیاسی جمہوریت پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اس کی نشوونما تغلب واستعمار اور کمزور قوموں پر ظلم واستبداد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دولت سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اور پھر جوں جوں ترقی ہوتی گئی تن آسانی اور عیش پرستی کی تمام باتیں اس کا جزو بنتی گئیں نتیجہ یہ ہے کہ عیاشی اور نمود نے اتنا فروغ پایا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی فضائل تباہ ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن اس کے شیدائی یہ نہیں دیکھتے کہ روحانی عنصر نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تمدن کس تیزی سے ہلاکت کی طرف جارہا ہے۔

ایڈورڈ گبن نے تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ دراصل جرموں غلطیوں اور نوع انسانی کی بدنصیبیوں کے رجسٹر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے" ہم بغیر کسی تصرف یا غلط بیانی کے یہی تعریف مغربی تمدن کی تاریخ پر بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔ دو عظیم جنگیں، فسطائیت، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور نہ جانے کتنے دوسرے فتنے اس کے بطن سے پیدا ہو چکے ہیں اور اب تیسری اور ہولناک ترین عالمی جنگ کے بادل اکٹھا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

ان سطور سے ہمارا مقصد مادی ترقی کی نفی کرنا نہیں ہے، صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ اگر دنیاوی ترقی روحانی اور اخلاقی

شعور کے ماتحت نہ ہو۔ تو وہ کس درجہ خطرناک اور موجبِ خطرات بن جاتی ہے۔

جس طرح انسان میں جسم اور روح کا امتزاج ہے اسی طرح اس کی ترقی کے بھی مادی اور روحانی دو پہلو ہیں۔ اور دنیاوی ترقی اُسی وقت مفید ہو سکتی ہے۔ جب اسے اطاعتِ الٰہی کے زیرِ سایہ حاصل کیا جائے۔

جو تمدّن ان دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ چھوڑ دے وہ غیر معتدل اور ناقص ہے۔ صحیح تمدّن وہی ہے۔ جو دونوں کے مطالبوں اور تقاضوں کو تسلیم کرے اور ان میں عدل کرے۔ اور اپنے سامنے یہ نصب العین رکھے کہ انسان کے مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرنا ہی ترقی کا صحیح مفہوم ہے۔

لیکن اس متوازن ترقی کا راستہ صرف اسلام دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک طرف مادّیت کی نفی نہیں کرتا اور نہ اس کے امکانات اور تقاضوں سے صرف نظر کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ ان بنیادی روحانی اور اخلاقی قدروں کا بھی محافظ ہے۔ جو مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرتی ہیں۔

ہم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے۔ کہ دنیوی علم و عمل سے دین کا رابطہ توڑ دیا ہے۔ کہیں صرف مادی ترقی اور دنیوی بہبودی پر زور ہے۔ کہ قابلِ توجہ یہی چیزیں ہیں۔ اور اگر دینی اصول ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے نظر آئیں۔ تو انھیں بلا جھجک قلمزد کر دینا چاہیئے۔ اور کہیں مذہب بایں معنیٰ ساری توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کہ قدیم تعلیم و تہذیب کے دائرہ میں محدود رہو ورنہ جدید تعلیم و تہذیب تم کو جہنم میں پہنچا دیگی نئے علوم و فنون جاننے والے طبقہ کی اکثریت اپنے قدیم تہذیبی سرمایہ سے ناواقف ہونے کے باعث دین سے عدم التفات کو ترقی کا وسیلہ سمجھتی ہے۔ اور قدیم علوم و فنون کے اکثر وارث عصری رجحانات سے بے خبری کی وجہ سے پرانی بحثوں اور روایتی اندازِ فکر کے اسیر ہیں۔ اور مذہب کے سانچہ میں ڈھال کر ایک ترقی یافتہ اور متوازن تمدّن کی تشکیل کی ضرورت یا تو محسوس نہیں کرتے یا خود کو اس کا اہل نہیں پاتے؟

عام مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی کی نوعیت شعوری نہیں بلکہ جذباتی ہو گئی ہے

مسلمانوں کی رہبری حاتی سے

اب بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ دل سے تو ہم اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر سوچتے غیر اسلامی طریق پر ہیں۔ اور زندگی غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتے ہیں۔ بعض حضرات دین سے سیاست کا کام لینا چاہتے ہیں۔ بعض تجارت کا اور زیادہ تر تو اس سے کوئی کام ہی نہیں لینا چاہتے۔ حال و قال کا یہ بعد ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے

جھوٹ کو اُمّ الخبائث تسلیم

کر کے چند بگہ زمین کے لیے جھوٹا حلف اٹھا لینا ہمارے اندر کوئی اُلجھن نہیں پیدا کرتا۔ بڑھتی ہوئی خود غرضی اور باہمی عداوت سے رسمی طور پر عبرت اندوز ہونے کے لیے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اپنی روزمرّہ کی زندگی میں خلوص، ایثار اور خدمت کے جذبات پیدا کرنا ہمارے لیے محال ہے۔ مالی ابتری کے باوجود محنت اور کفایت شعاری پر ہماری طبیعتیں نہیں مائل ہوتیں۔ غرض خدا اور آخرت پر ایمان اور ہماری نمازیں اور ہمارے روزے ہم کو خود غرضی۔ جھوٹ۔ قوّت پرستی۔ دولت کی طمع اور اس طرح کے دوسرے روحانی و اخلاقی امراض سے نجات دلانے میں کارگر نہیں ہوتے۔ حالانکہ انھیں ایسا ہونا چاہیئے۔

سر چارلس لائل نے بڑے مزہ کی بات کہی ہے۔ کہ

ایشیا جیسا عملی سیاست کا اسکول کہیں نہیں ہے۔ جہاں نیکی اور انصاف کے نہایت پاکیزہ اور قابل تعریف اصولوں کے ساتھ "چھین لو اور دبا بیٹھو" کا پرانا طریقہ اب بھی رائج ہے۔ اور جہاں افعال اور مسلمات کا تضاد کسی کو مطلق نہیں کھٹکتا۔"

یہاں اس سے بحث نہیں کہ آیا تنہا ایشیا ہی اس الزام کا مستحق ہے۔ اور دنیا کے دوسرے براعظم اس سے بری ہیں۔ سوچنا یہ ہے۔ کہ کل ایشیا پر یہ بات صادق آتی ہو یا نہ ہو مسلمانوں کی حالت ضرور ایسی ہی ہے۔ ان کے یہاں عقائد اور اعمال میں مناسبت ہی معدوم نہیں بلکہ اس عدم مناسبت پر ان کا ضمیر ہلکی سی چٹکی بھی نہیں لیتا اور یہ اس لیئے ہے۔ کہ اسلام سے ان کے تعلق کی نوعیت محض طبعی۔ رسمی اور نسلی ہو گئی ہے۔ دینداری کے معنی چند عقائد کا اقرار اور چند رسوم کی ادائیگی سمجھ لیے گئے ہیں۔ اور زبان سے اسلام کے دین عمل۔ اور ضابطۂ حیات ہونے کا لاکھ دعویٰ کیا جائے معاشرت میں خوف خدا کو راہ نما بنانے پر کوئی راضی نہیں ہے۔

اسلام کی عظیم الشان عمارت کے چار ستون ہیں۔

(۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) اخلاقیات (۴) معاملات۔

حضور سرور کائنات کی رسالت کا یہی طرۂ امتیاز ہے۔ کہ وہ ان چاروں عنوانوں کا مجموعہ تھی آپ نے یہ حقیقت بار بار دہرائی کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے۔ اور دوسرا اپنے خالق کی مخلوقات کے ساتھ یعنی اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے۔ اور دوسرا عالم شہود کی طرف۔ خدا اور بندہ کے تعلق کے جن اجزاء کا تعلق ہماری قلبی۔ ذہنی۔ کیفیات سے ہے۔ ان کو اعتقادات کہتے ہیں۔ اور جن اجزا کا تعلق ہمارے جسم وجان اور مال دولت سے ہے۔ وہ تین ابواب یعنی عبادات۔ اخلاق اور معاملہ میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اسلام کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا استحکام ضروری ہے۔ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے اسی لیے قرآن پاک میں اٰمَنُوا کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پر ہمیشہ زور دیا گیا ہے۔

دراصل اعمال حسنہ ہی ایمان کی پختگی کی پہچان ہیں۔ ویسے ہی جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایمان کا تو دعویدار ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق اچھائی نہ پائی جاتی ہو۔ تو یہ کھلی ہوئی علامت اس بات کی ہو گی۔ کہ ایمان اسکی زبان سے اتر کر اس کے دل اور اس کی شخصیت کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ احادیث میں اس مضمون کی کمی نہیں مثلاً مومنوں میں اسی کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔" (سنن ابی داؤد)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہے) کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ (بخاری)

"جس میں امانت نہیں۔ اس میں ایمان نہیں۔" (بخاری)

"اچھے خلق ہی کو اسلام کہتے ہیں۔"

"قیامت کی ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی اور چیز نہ ہو گی۔"

"خوش اخلاق دنیا اور آخرت کی نیکی کو لے گیا۔"

"بخل اور بداخلاقی دو ایسی چیزیں ہیں جو مومن میں کبھی جمع نہیں ہوتیں۔"

"جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔ وہی زیادہ اچھا آدمی ہے۔"

"جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ مسلمان نہیں۔"

مختصر یہ کہ اسلام اور زندگی میں ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ اور علاقہ ہے۔ اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کے ثمرات

سے ہم تب ہی اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں۔ جب ہم اس کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرلیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا مدار اپنے اندر سچا مذہبی جذبہ بیدار کرنے پر ہے۔ تاکہ ہمارے تمدن کی بنیاد ابدی اخلاقی قدروں پر ہو۔ وہ طرز زندگی اور وہ تمدن جو مادی اغراض سے مغلوب ہو کر منشائے حق کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ خود بھی برباد ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس کی تعمیر ریت کی دیواروں پر ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے مصائب کے بوجھ سے بیٹھنے لگتا ہے ـــ جیسا کہ ضروری ہے ـــ تو ہمسایوں کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔ لیکن جن کی آنکھیں مغرب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہو گئیں تھیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال ہی ہے اور اتنی عمر میں جو تاریخی اعتبار سے کچھ بھی نہ ہوئی۔ اس میں انحطاط کی علامتیں پیدا ہو گئیں ہیں اور اس کے مستقبل کی بابت سخت اندیشے ظاہر کیے جا رہے ہیں۔"

تہذیب اپنے عروج کو نہیں پہنچ سکتی جب تک انسان اپنی زندگی کا رشتہ رضائے الٰہی سے نہ جوڑے، اور مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے۔ جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم رہے۔ ایک متوازن اور عادلانہ نظام تمدن تشفی نفس نہیں۔ بلکہ احتساب نفس ہی کے سہارے وجود میں آسکتا ہے۔ اور مسلمان کسی اور ذہنی فضا میں مسلمان کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتے۔"

ہم کو چاہیئے کہ اسلام کے آب حیات سے اپنے معاشرہ کو سیراب کریں۔ ہم میں ایک ایسی جماعت ہو۔ جو اسلام کے عقائد اور اصولوں کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے اور زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات اور مسائل میں ان کو برت کر دکھائے تاکہ قوم کو صحیح عملی ہدایت ہے۔ اور قومی مزاج میں پھر دینی شعور اور خود اعتمادی پیدا ہو یہی چیز ہمیں ترقی کے صحیح راستہ پر لگا سکتی ہے۔ اور اسی کی اس وقت ضرورت ہے۔ اور اگر نظر کو ذرا وسیع کر کے دیکھا جائے۔ تو قرآن کی اس آیت میں بھی ہم کو یہی حکم ملے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور انھیں اچھے کام کرنے کی ترغیب دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

یہ عمل جس طرح ہماری فلاح اخروی کا ضامن ہے۔ دنیوی فلاح و ترقی کے صحیح راستہ پر پڑنا اسی پر موقوف ہے۔"

ہم نے بدقسمتی سے اسلام کی سماجی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا اور یہ نہیں دیکھا کہ یہی وہ صفت تھی۔ جس نے اسلام کو روایتی مذاہب سے ممتاز کر کے اسے ایک تاریخی حقیقت بنا دیا تھا۔"

ہماری تاریخ کے نازک دوروں میں ایسی عظیم المرتبت شخصیتیں ضرور ابھریں جنھوں نے معاشرہ کے بارے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنی جانوں تک کی بازی لگا دی اور یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام اندر و باہر کے بیشمار خطروں کا مقابلہ کر کے آج بھی ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے قائم ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے دینی راہنماؤں کی اکثریت نے اس ذمہ داری

کو مخصوص نہیں کیا۔ نہ ذہنی اور علمی سطح پر اور نہ عمل کے میدان میں مسجدوں۔ اور سوں اور خانقاہوں اور گھروں۔ کالجوں کھیتوں اور کارخانوں کی درمیانی خلیج پر پل بنانے کی کوشش لوھوری ہی رہی۔ اور زندگی کو دین سے اور دین کو زندگی سے قوت کی لہریں جیسی کہ پہنچنی چاہیے تھیں۔ نہیں پہنچ سکیں۔ انجام کار دین دنیا کی تفریق اور اس بارے میں افراط و تفریط پوری قوم کا مزاج بنا ہوا ہے۔ جو ہزار خوبیوں کی جڑ ہے۔

اسلام کی وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں جن کے بحسن و خوبی انجام دینے کے لیے وہ خلق کیا گیا ہے۔ دراصل اسلام آیا اسی لیے تھا۔ کہ اپنے پیروؤں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہی رکھ دے (سیرت ابن ہشام جلد اوّل) یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ ہم اس سے یہ کام نہیں لیتے جب تک ہم نے اسلام کی روح سے اپنی روحوں کو منسلک رکھا دنیا نے اس صداقت کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب یہ رشتہ کمزور پڑ گیا اور ملک گیری مسلمانوں کے فعّال طبقہ کا نمایاں مقصد بن گئی تو اسلام ایک سیاسی قوت کی طرح دنیا کے بڑے حصہ پر تو چھایا رہا مگر اس کے جسم سے اسکی روح جدا ہو گئی یہ کوئی اچھی شکل نہ تھی۔ اور انجام اس کا وہی ہوا جو ہر ایسی سیاسی طاقت بالآخر ہوتا ہے جو اچھے اخلاقی اصولوں سے تربیت نہیں لیتی۔ روحانی امراض نے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیا۔ زندگی کے عناصر کمزور پڑ گئے اور رفتہ رفتہ دولت و حکومت بھی جاتی رہی۔

ہماری بہبودی اسی میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اجتماعی زندگی میں جذب کر لیں جب تک یہ نہ ہوگا ہم ترقی سے یونہی محروم رہیں گے جیسے کہ آج ہیں۔

ارشاداتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ (بخاری و مسلم عن ابن عمر مشکوٰۃ ص۴۲۳)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرے نہ اپنی اعانت سے دست کشی کر کے اس کو ہلاکت کے حوالہ کرے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کا غم یا مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی روز قیامت کی مشکلات کو دور کرے گا

اعانت اور حسن سلوک کا ایک بہت بڑا حصہ مال پر عائد ہوتا ہے۔ ہر محروم آدمی اس کا مستحق ہے۔ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے حصہ دیا ہے وہ اس کی مدد کرے وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ آنحضرتؐ نے اس کو انتہائی بلیغانہ انداز میں یوں پیش فرمایا ہے۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (بیہقی عن عبداللہ مشکوٰۃ ص۴۲۵)

مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ پس خدا کے نزدیک اس کی مخلوق میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اس کے کنبہ سے حسن سلوک کرے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی قرآن مجید نے انتہائی تاکید کی ہے ابتدائی مکی سورتیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ رسول اللہ نے مدینے آکر مسلمانوں کو سب سے پہلے خطبے میں جن چار امور کی ہدایت کی اور کہا کہ اس کے بعد تم جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔ ان میں سے ایک یہ تھی۔ واطعموا الطعام

اور کھانا کھلاؤ۔ اور فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

نبی کا طریق دعوت و اصلاح

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی)

(مترجمہ مولوی محمد رابع ندوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دنیا کی کیفیت ایک ایسے مکان کی سی تھی جس کی بنیادیں ایک سخت زلزلے نے ہلا دی تھیں۔ اس کی ہر چیز بے محل اور بے قرینہ ہو گئی تھی۔ اس عمارت کا ساز و سامان زیر و زبر ہو گیا تھا۔ جو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ رہا تھا۔ اس کی شکل بگڑ گئی تھی۔ کہیں کی چیز کہیں پڑی تھی۔ کہیں سامان کا انبار لگ گیا تھا اور کہیں بالکل جھاڑو پھر گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم کو ایک نبی کی نگاہ سے دیکھا۔ تو آپ کو وہاں ایسا انسان نظر آیا جس کی نظر میں اپنی ہستی خود حقیر تھی وہ درخت، پتھر اور پانی کی پرستش کرنے لگا تھا۔ بلکہ وہ ہر بے بس چیز کو معبود بنا چکا تھا۔ آپ نے وہاں ایسا مسخ شدہ انسان دیکھا جو روزمرہ کی اور کھلی ہوئی حقیقتوں کے ادراک سے قاصر تھا۔ ایسا انسان جس کا فکری نظام مختل ہو چکا تھا۔ اس کے حواس غلط کام کر رہے تھے، اس کے لیے علم نظری بدیہی اور بدیہی نظری بن گیا تھا۔ یقینی اور قطعی چیزوں میں اسکو شک ہونے لگا تھا اور مشکوک و مشتبہ چیزیں قطعیات و یقینیات بن گئی تھیں۔ اس کا ذوق فاسد ہو گیا تھا۔ بد ذائقہ چیزیں اس کو خوش ذائقہ اور خوش ذائقہ چیزیں بد ذائقہ معلوم ہونے لگی تھیں۔ اس کا احساس باطل ہو چکا تھا۔ دوست اور خیر خواہ کے ساتھ اس کی دشمنی اور دشمن اور بدخواہ کے ساتھ اس کی دوستی تھی۔

آپ نے پھر معاشرے پر نظر ڈالی تو دنیا ہی کا مرقع نظر آیا۔ ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ پر نظر آئی۔ اس معاشرے میں بھیڑیے کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصومات کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور بارام تھا۔ اور نیک سیرت زحمت و کلفت میں مبتلا تھے۔ اس معاشرے میں اخلاقی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت اور بد اخلاقی اور بد اطواری سے بڑھ کر کوئی ہنر اور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔

آپ نے اس معاشرے میں ہلاکت آفریں اطوار دیکھے جو دنیا کو ہلاکت کے غار میں دھکیل رہے تھے آپ نے شراب نوشی کو بدمستی بداخلاقی کو جنون اور سود خواری کو لوٹ کھسوٹ، مال کی محبت کو بوالہوسی اور جوع البقر کی حد تک پایا، سنگدلی اور بے رحمی اس حد کو پہنچ چکی تھی۔ کہ لڑکیاں زندہ دفن کی جاتی تھیں اور لڑکے بچپن میں قتل کر دیئے جاتے تھے۔ بادشاہ ایسے جو اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل اور اللہ کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے، عالم و درویش ایسے جو خود خدا بن بیٹھے تھے لوگوں کا مال کھاتے اڑاتے اور خدا کے راستے سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا اور انکا کچھ مشغلہ نہ

تھا۔ جو قابلیتیں انسان کو اللہ کی جانب سے میسر ہوئی تھیں وہ بڑی بے دردی سے ضائع ہو رہی تھیں یا بے محل خرچ ہو رہی تھیں ان سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ اور نہ ان کو صحیح رخ پر لگایا گیا تھا۔ شجاعت اور بہادری نے ظلم زبردستی، فیاضی، دریادلی نے اسراف اور فضول خرچی خودداری اور غیرت نے جاہلی حمیت، ذہانت و ذکاوت نے دھوکا بازی اور حیلہ سازی کی شکل اختیار کر لی تھی، عقل کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا۔ کہ جرائم کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے اور خواہشات کی تسکین کے لیے نئے نئے راستے پیدا کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد اور انسانی ذخیروں کو دیکھا۔ وہ ایک ایسا خام مال تھا جس کو کوئی تجربہ کار کاریگر نصیب نہیں ہوتا تھا۔ جو اس سے تمدن کا صحیح ڈھانچہ تیار کرتا۔ یہ لکڑی کے تختے تھے جو پڑے پڑے گل رہے تھے۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کو جوڑ کر زندگی کا جہاز تیار کر لیتا۔

آپ نے قوموں کو دیکھا تو بھیڑوں کے چند گلے نظر آئے جن کا کوئی چرواہا نہ تھا۔ سیاست شتر بے مہار تھی، اور قوت ایک تلوار تھی جو ایک بدمست کے ہاتھ پڑ گئی تھی جس سے وہ خود اپنے کو اور دوسروں کو زخمی کر رہا تھا

اس خراب و ابتر زندگی کا ہر شعبہ مصلح کی پوری زندگی کا طالب تھا۔ اور اس قابل تھا کہ وہ اسکی ساری توجہات کا مرکز بن جائے اور اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی فرصت نہ دے۔ اگر کوئی عام انسان ہوتا تو اس زندگی کے ایک ہی حصہ پر اپنی ساری کوششیں لگا دیتا اور پوری عمر کو سوسائٹی کے صرف ایک مرض پر قربان کر دیتا۔ لیکن انسان کی نفسیات کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے۔ اس میں بہت سے چور دروازے ہیں اور عجیب عجیب روزن ہیں۔ اس کی اصلی کمزوری اور مرکزی سرے کو پکڑ لینا آسان نہیں جب انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، یا اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے صرف ایک عیب کو درست کرنا اور ایک ہی کمزوری کے پیچھے پڑ جانا کارآمد نہیں اور نہ کسی ایک ہی عادت کو سنوارنا سودمند ہے جب تک اس کا رخ شر سے پھیر کو خیر کی سمت اور خرابی سے ہٹا کر درستی کی جانب نہ کر دیا جائے اور زندگی میں بگاڑ کی جو جھاڑی اگ آئی ہے اس کو نہ اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کی زمین کو گھانس اور خودرو پودوں سے صاف نہ کر دیا جائے۔ تاکہ نیکی اور خیر کی محبت اور اللہ عزوجل کے خوف کا پودا اس میں بٹھایا جا سکے۔

انسانی معاشرہ کی ہر کمزوری اور عیب پوری پوری زندگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ بعض اوقات پوری پوری جماعت کی زندگیاں اس کے مقابلے میں مصروف کار ہو جاتی ہیں۔ اور بناؤ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کسی ملک میں شراب کی لت پڑ گئی ہے اور زندگی کا فلسفہ ہی اسے نادنوش سمجھ لیا ہے۔ تو اس سے منہ لگی شراب چھڑانی آسان نہیں ہے۔ مے نوشی کس بات کا نتیجہ ہے؟ ایک ایسی ذہنیت اور مزاج کا جو مزہ کا عاشق ہے چاہے وہ لذت زہریلی ہو لیکن ہو بے خودی اور خود فراموشی کا طالب ہے۔ چاہے ہزار گناہ سے خریدی جاتی ہو اس افتاد طبیعت اور اس ذہن کو تقریر و تحریر شراب کے طبی نقصانات کی تفصیل اور سخت سخت قوانین اور جبر مانون سے روکا نہیں جا سکتا۔ امریکہ کا تجربہ اس بارے میں ہمارے سامنے ہے اس کو صرف نفسیاتی تبدیلی سے روکا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا۔ تو جرائم دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گے۔ اور اپنے لیے دوسرے راستے پیدا کر لیں گے۔

عرب کے ملک میں کام کا بہت وسیع میدان تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی قومی رہنما یا محب وطن قائد ہوتے اور ان کا طریقہ سیاسی اور ملکی رہنماؤں جیسا ہوتا تو آپ کے سامنے بہتر صورت یہ تھی کہ آپ عرب کو ایک وطن قرار دے کر عربی قبائل کا ایک اتحاد قائم کرتے اور عرب کی مضبوط طاقتوں سے ایک پختہ اور جنگجو بلاک بنا لیتے اور ایک عربی ریاست یا جمہوریہ کی بنیاد رکھتے جس کے آپ نہایت آسانی کے ساتھ صدر ہو سکتے تھے۔ ایسی صورت میں ابوجہل عتبہ وغیرہ آپ کے ساتھ پورا اشتراک عمل کرتے اور آپ کو عرب کی قیادت سونپ دیتے کیونکہ ان کو آپ کی صداقت امانت کا مشاہدہ تھا۔ انھوں نے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے اختلافی مسئلہ میں حکم بنایا تھا۔ عتبہ نے قریش کا نمائندہ بن کر آپ کے سامنے عرب کی سرداری کی پیشکش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ قیادت چاہتے ہیں تو ہم کو ذرا اختلاف نہیں۔ آپ زندگی بھر ہمارے قائد رہیں گے۔ پھر اگر آپ کو یہ سیاسی مقام حاصل ہو جاتا تو آپ کے لیے ایرانی یا رومی سلطنت پر چڑھائی آسان تھی آپ عرب شہسواروں کے ذریعہ ایران و روم کی سلطنت پر حملہ کر سکتے تھے۔ اور عجمیوں کو مغلوب کر کے اور روم و فارس پر عرب کی فتح کا پھریرا اڑا سکتے تھے۔ یہ کتنا دلکش خواب تھا اور عربی جذبۂ نخوت کی اس میں کیسی تسکین تھی۔ اور اگر آپ ان دونوں شہنشاہیوں سے بیک وقت برسرِ پیکار ہونا سیاسی دانش کے منافی سمجھتے تو یمن و حبشہ پر حملہ کر کے ان کو اپنی نوزائیدہ حکومت میں ملحق کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔

خود عرب میں اتنے اجتماعی، معاشی مسائل موجود تھے۔ جو اعلیٰ سیاسی بصیرت، قومی تنظیم انتظامی قابلیت اعلیٰ عزیمت کے برسوں سے منتظر تھے۔ ایک بلند پایہ قومی اور رہنما عرب کی مقامی اصلاح و تنظیم کر کے اس کو دنیا کی بہت بڑی طاقت اور ایک باعظمت ملک بنا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ ایک بگاڑ کو تبدیل کر کے دوسرا بگاڑ اس کی جگہ پر لائیں۔ اور ایک ناانصافی کو مٹا کر دوسری ناانصافی پیدا کر دیں۔ ایک چیز کو ایک جگہ ناجائز قرار دیں اور دوسری جگہ اس کو جائز قرار دیں۔ ایک قوم کی خودغرضی کی مخالفت کریں اور دوسری قوم کی خودغرضی کی ہمت افزائی کریں۔ اور نہ آپ وطنی لیڈر اور نہ سیاسی قائد بن کر آئے تھے۔ کہ ایک قوم کو اجاڑ کر دوسری قوم کو آباد کرتے دوسری قوم کے زر و جواہر سے اپنی قوم کا دامن بھرتے۔ اور لوگوں کو روم و فارس کی غلامی سے نکال کر آل عدنان اور اولاد قحطان کی غلامی میں داخل کرتے۔

آپ کا مقصد بعثت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذاب آخرت کی وعید پہنچانا تھا۔ آپ داعی الی اللہ اور سراج منیر بن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں۔ آپ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ کہ دنیا کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کریں۔ اور تمام لوگوں کو مادی زندگی کی کال کوٹھڑی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں۔ اور مذاہب و ادیان کی ناانصافیوں اور زیادتیوں سے نجات دے کر اسلام کے انصاف سے متمتع ہونے کا موقعہ دیں۔ آپ کا کام نیکی کی ترغیب دینا۔ بدی سے منع کرنا۔ صاف و پاک چیزوں کو حلال۔ گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا اور ان بندشوں اور بیڑیوں کو توڑنا تھا۔ جو انسانوں میں اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی زبردستی سے لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں۔

اس لیے آپ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ایک

ملک کے باشندے نہ تھے۔ آپ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا۔ عرب قوم اپنی حد سے بڑھی ہوئی پس ماندگی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے آپ کی دعوت کی دنیا میں سب سے زیادہ مستحق تھی کہ آپ کی مہم وہیں سے شروع ہو اور کارِ نبوت کا افتتاح بھی اسی قوم میں ہو۔ امّ القریٰ (مرکز عالم مکہ) اور جزیرہ نمائے عرب اپنے جغرافیائی جائے وقوع سیاسی آزادی کی وجہ سے آپ کی جدوجہد کے لیے بہتر مرکز تھے اور عربی قوم اپنی نفسیاتی خصوصیات اخلاقی امتیازات کسی وجہ سے آپ کے پیغام کے بہترین سفیر اور آپ کی دعوت کے موزوں ترین قاصد بن سکتی تھی۔

آپ ان عام مصلحین میں سے نہ تھے جو اپنی قوم یا اپنے زمانے کی چند اجتماعی کمزوریوں یا اخلاقی خرابیوں کے مٹانے کے درپے ہوتے ہیں۔ اور نتیجۃً وقتی طور پر ان عیوب کے ازالے میں کامیاب ہوتے ہیں یا اس دنیا سے ناکام سدھار جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و اصلاح کا کام اس کے صحیح راستہ سے شروع کیا۔ اور اس گھر میں وہ اس کے دروازہ سے داخل ہوئے آپ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی یہ وہ قفل تھا جس کو کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاغوت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی لوگوں میں کھڑے ہو کر آپ نے بآواز بلند فرمایا۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں کامیاب ہوگے۔

جاہل معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس میں اسکو کچھ پیچیدگی محسوس نہیں ہوئی۔ جس وقت بھی آپ کی آواز سننے والوں کے کان کے پردے جنبش میں آئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے۔ جو جاہلیت کے نشانہ

(بقیہ صفحہ ۱۶) مزدوری کرنے کے کیلئے گھروں سے نکل پڑے اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد لاد کر انہوں نے پیسے کمائے۔ اور راہِ خدا میں صدقہ کیا۔ (ریاض الصالحین ص۲۸ بحوالہ بخاری و مسلم)

زکوٰۃ کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں یہاں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک اور حدیث درج کرتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ہیں جس شخص نے اُن کو اختیار کر لیا۔ اس نے ایمان کا مزہ پا لیا۔ ایک یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرے۔ اور دوسرے یہ کہ لا الٰہ الا اللہ پر اس کا سچا ایمان و اعتقاد ہو۔ اور تیسرے یہ کہ ہر سال دل کی پوری خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے (تو جس کو یہ تین باتیں حاصل ہو جائیں گی اس کو ایمان کی لذت اور چاشنی حاصل ہو جائیگی) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کا ذائقہ اور اس کی لذت نصیب فرمائے۔

زکوٰۃ اور صدقات کے بعض دنیوی فائدے

زکوٰۃ اور صدقات کا جو ثواب اور جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں ملیگا اس کے علاوہ اس دنیوی زندگی میں بھی اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے والے مومن کا دل بڑا خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کو اس پر حسد نہیں ہوتا

(باقی ص۳۲ پر)

پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا۔ خطرہ کے اس احساس سے جاہلیت کے کڑھاؤ میں اُبال پیدا ہوا جاہلیت کے سورما جاہلیت کے آخری معرکہ کے لیے میدان میں اُتر آئے کیل کانٹے سے لیس ہو کر چڑھ دوڑے وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا علی الهتکم ان هذا لشیء یراد (اور ان کے ذمہ لوگ نکل پڑے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ یہ تو یقیناً کوئی سوچی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے) اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور پورا نظام زندگی خطرے میں ہے۔ اس موقع پر سختی دباؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے۔ جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت پر زد لگانے کے لیے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا۔ آپ نے جاہلیت کی شہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تلملا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا شاید سب سے بڑا قلعہ تھا۔ لڑنے کے لیے آگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ مخالفت کے طوفان اٹھے فتنہ کی آندھیاں آئیں۔ اور نکل گئیں مگر آپ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی۔ آپ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا (میرے چچا۔ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے۔ یا میں کام آجاؤں)

آپ مکہ میں تیرہ ۱۳ سال تک مقیم رہے۔ مسلسل توحید رسالت آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے آپ نے اس کے لیے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی نہ وقت کی مصلحت کے لیے اپنی دعوت میں لوچ اور لچک گوارا کی اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اس کے بارے میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

قریش نے اس دعوت کے مقابلہ میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپ کے مقابلہ میں آگئے اور تمام ملک میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اب آپ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو۔ جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لیے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لیے تیار ہو۔ جو دنیا کی تمام ترغیبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو۔ قریش کے چند جوان مرد آگے بڑھے یہ عجلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں، اور زندگی کے دروازے اپنے لیے بند کر رہے ہیں۔ کوئی دنیاوی ترغیب یا لالچ اسکی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا تھا اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے اور صرف یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کی لالچ تھی انھوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں کو پکارتے سن پایا تھا۔ کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ۔ یہ پکار سنتے ہی زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ طبیعتیں بھنچنے لگیں۔ راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ نرم بستر کانٹوں کی طرح چبھنے لگے۔ انھوں نے دیکھا اللہ اور رسول پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لیے ضروری ہو گیا ہے۔ وہ دل و دماغ

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں رہ سکتے تھے۔ حقیقت ان پر ظاہر ہو چکی تھی، وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے۔ حیوانی زندگی سے ان کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ اسکو اس میں دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے۔ ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چبھ رہا تھا۔ وہ اس کانٹے کو پال نہیں سکتے تھے۔ آخر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر کے محلہ میں تھے۔ چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپ کو اتنا دور کر دیا تھا۔ اور راستہ اتنا پُرخطر بنا دیا تھا۔ کہ آپ تک پہنچنا ایک دور دراز اور نہایت خطرناک سفر تھا، شام و یمن کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ کر نکل جانا اتنا مشکل نہ تھا جتنا مکہ کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اور آپ سے ملنا مشکل تھا لیکن وہ آپ تک پہنچے، آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا خطرہ تھا اور آزمائشوں و مشکلات کا یقین تھا۔ مگر انھوں نے قرآن کی یہ آیت سنی تھی

امحسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین (کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے تو ان سے پہلے لوگوں کو خوب آزمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا۔ جو سچے ہیں۔ اور وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کر لے گا) اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب

(کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات نہیں گزریں گے جو پہلے گزر چکے، ان کو مصیبت اور نقصانات سے سابقہ پڑا اور وہ ہلا کر رکھ دیے گئے۔ حتیٰ کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے کب مدد آئے گی۔ معلوم ہو کہ بس مدد قریب ہے۔) آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی۔ قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر خالی کر دیا۔ اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھتا ہی گیا (کہنے لگے اسی کا تو ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس نے ان کے ایمان اور سپردگی میں اضافہ ہی کیا) ان آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ان کے عقیدہ میں مزید پختگی، ان کے یقین میں استحکام ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت و حلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا، اور وہ اس بھٹی سے کھرا سونا بن کر نکلے

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۳۰) بلکہ وہ اس کی بہتری چاہتے ہیں۔ اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور اس کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عام دُنیا کی نظروں میں بھی ایسے شخص کی بڑی وقعت ہوتی ہے۔ اور سب لوگوں کی محبت و ہمدردی ایسے شخص کو حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بڑی برکتیں دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے فرزندِ آدم تو (میرے غریب و حاجتمند بندوں پر اور نیکی کے دُوسرے کاموں میں) میرا دیا ہوا مال خرچ کئے جا۔ میں تجھ کو برابر دیتا رہونگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ صدقہ کرنے کی وجہ سے (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے) کوئی شخص غریب اور مفلس نہ ہوگا۔" اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو

ان ارشادات نبوی پر حقیقی ایمان و یقین نصیب فرمائے۔ اور دونوں فریق کے سب لوگوں کی توفیق دے۔

بقیہ صفحہ ۲۷